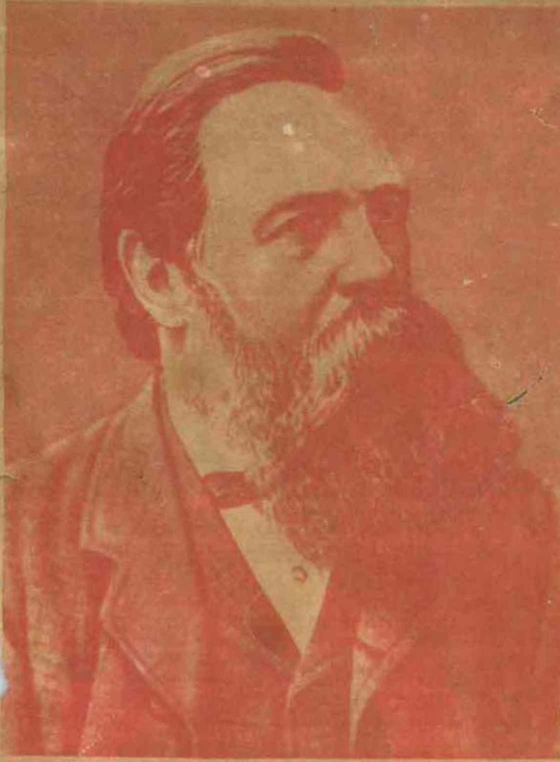

پاک چین دوستی زندہ باد
قیمت ۵۰ پیسے
مئی ۱۹۷۱ء



F Engels

کارل مارکس کے رفیق خاص فریڈرک اینجلز



Karl Marx

عظیم انقلابی نظریئے کمیونزم کے خالق کارل مارکس



۱۶ مئی ۱۸۷۱ء کو وینڈوم کالم کو گراتے ہوئے۔



پیرے لاشائزے کے قبرستان پر کمیونارڈز اور ورسیلیز کے فوجیوں کے درمیان آخری جھڑپ۔

(مضمون اندر کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

منشور

حیات و کائنات و انسان

جلد ۸ مئی سنہ ۱۹۷۱ء شمارہ ۵

مُدیر

سبط اختر



قیمت

مغربی پاکستان

فی پرچہ — ۵۰ پیسے

سالانہ — ۵ روپے

مشرقی پاکستان

(ہوائی ڈاک سے)

فی پرچہ — ۶۵ پیسے

سالانہ — ۷ روپے



اداریہ

مُستقل عنوانات

مضامین

ناشر: سبط اختر
طابع: سید صابر علی مشہور پریس، کراچی
پتہ: ——— کے - ۱۸ جوہر کالونی منگھوپیر روڈ کراچی ۱۶

اداریہ

مئی تحریک کا پیغام

انقلابی عمل

آج یکم مئی ہے - اکیانوے (۹۱) سال پہلے امریکہ کے صنعتی شہر شکاگو میں تمام مزدوروں نے ’’ہے مارکیٹ‘‘ کے مقام پر اپنے مطالبات کیلئے آواز بلند کی تھی، مزدوروں کی بلند آوازی، سرمایہ داروں کو بُری لگی تو انہوں نے ریاستی ڈھانچے کے ذریعے قتل عام کروادیا - مزدوروں کا قتل عام تو ہو گیا مگر سرمایہ دار اپنے مکروہ مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے کہ پھر نگر نگر مزدوروں کے تیز و تند نعرے بلند ہونے لگے مزدوروں کے خون میں سرخ ہونے والا پرچم، مئی تحریک کی علامت بن گیا اور پھر ہر جگہ یہ سُرخ جھنڈے لہرانے لگے - نہ مزدوروں نے حق و انصاف کیلئے اپنی لڑائی ختم کی اور نہ سرمایہ داروں کا ظلم و تشدد بند ہوا - عمل اور رد عمل کا سلسلہ قائم رہا اور ابھی جاری ہے -

جیسے جیسے مزدور تحریک آگے بڑھتی رہی، ویسے ویسے مزدوروں کے مشاہدے مطالعے اور تجربے میں اضافہ ہوتا رہا اور یہ بات سامنے آتی گئی کہ اب سرمایہ داروں نے خود مزدوروں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے اور ٹریڈ یونینوں میں غداروں نے اپنی جگہ بنالی ہے - سب سُرخ پرچم اُٹھانے لگے، سب روٹی روزگار کی بات کرنے لگے، سب نے حالات کار اور شرائط ملازمت کی بہتری کے لئے مطالبات رکھنے شروع کر دیئے، کہیں سرمایہ داروں نے کچھ مان لیا اور کہیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سب کچھ توڑ پھوڑ کر رکھدیا - مگر حالات زندگی میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آسکی - ظاہری تبدیلیاں ضرور ہوئیں مگر معیشت کا اصل استحصالی ڈھانچہ قائم رہا - انیس بیس کا فرق تو پڑا مگر ظالم و مظلوم طبقوں کے باہمی رشتے جوں کے توں رہے - بلکہ مزید خرابی آتی گئی اور حالات بد سے بدتر ہوتے گئے کہ مزدور اپنی اجتماعی جدوجہد سے جو کچھ حاصل کرتے سرمایہ دار اپنی ریاستی مشینری کے ذریعے نہ صرف وہ، بلکہ اور زیادہ واپس لے لیتے - غرضیکہ فرد اور اجتماع، ہر سطح پر مٹھی بھر انسان تمام حوا بنی نوع انسان کو جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتے رہے - ایک ٹھوکر یا تھپیڑ سے لیکر غذائی قحط یا عالمی جنگ تک طبقاتی نظام کی شیطانی منافع خوری کا عمل جاری رہا استحصالی معاشرہ جنجھا تو طبقاتی تقسیم اور طبقاتی کشمکش کی حقیقتوں کو بھی تسلیم کیا جانے لگا مگر اس طبقاتی تضاد کو کیونکر حل کیا جائے؟ یہ وہ کلیدی سوال تھا، جس کا حتمی جواب عظیم کارل مارکس نے دیا - عمرانیات کے اس بے مثال سائنسدان نے صاف صاف بتایا کہ جب تک مظلوم طبقے، ظالم طبقوں کا تختہ الٹ کر اپنی پرولتاری آمریت قائم نہ کریں گے تب تک یہ دنیا ایسی ہی رہے گی - عظیم مارکس اور اس کے جگری دوست اینجلز نے لاتعداد دلائل سے اپنے مؤقف کو ثابت کیا اور لینن و اسٹالن نے ۷ نومبر ۱۹۱۷ء کو سرزمین روس کی تجربہ گاہ میں اس نظریے کے مطابق انقلاب برپا کر ڈالا عظیم اکتوبر انقلاب کے بعد - چیرمین ماؤ کی قیادت میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام سے مارکس اور اینجلز کے دعوے اور لینن و اسٹالن کے تجربے پر ایک اور مہر تصدیق لگ گئی اور اب تو ہوچی منہ کے ویتنام سے لے کر مینڈ لانسے افریقہ تک ہر جگہ پرولتاری طبقہ کی قیادت میں عوامی جنگ آزادی لڑی جارہی ہے

شکاگو کے منظم اور باشعور مزدوروں نے اپنے طویل اوقات کار میں کمی کرانے کے لئے جو مئی تحریک شروع کی تھی وہ اب ریاستی اقتدار پر پرولتاریہ کے قبضے تک جا پہنچی ہے - پہلے مزدور صرف ٹریڈ یونین منظم کرتے تھے، اب ٹریڈ یونینوں کے ساتھ ساتھ ان مزدوروں کی انقلابی تنظیمیں بھی بنا رہے ہیں، جو سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کی تجویز سے متفق ہیں، پہلے مزدور تنہا تھے، اب وہ اپنے قریب ترین حلیف یعنی کسان طبقے اور دوسرے مظلوموں کو بھی منظم کر رہے ہیں۔ پہلے مزدور نہتے اور سرمایہ داروں کے ننگے ظلم کے بدترین شکار تھے اب وہ مسلح اور بنی نوع انسان پر ہونے والے تمام مظالم کا بدلہ چکانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں کل مزدور ایک محدود دائرے میں صرف معاشی مطالبات کے لئے محدود لڑائی کرتے تھے آج وہ معیشت، ثقافت اور سیاست سے تعلق رکھنے والے ہر شعبے میں مثالی طور پر ہمہ جہتی اور طویل المیعاد جنگ لڑ رہے ہیں - کل مزدور اپنی ہی صفوں میں چھپے ہوئے غداروں سے بھی مات کھا جاتے تھے، آج وہ سامراجیوں، موقع پرستوں، ترمیم پسندوں اور منافقوں پر بھی فتحیاب ہو رہے ہیں -

تاریخ نے بڑی زبردست چھلانگ لگائی ہے - مزدور تحریک انتہائی اہم کروٹ لے چکی ہے - ہمارا فرض ہے کہ ان حالات میں اپنا طبقاتی فرض ادا کریں، اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، پہلقدمی کریں، اپنے وسائل کو سمیٹیں، اپنی متعین حکمت عملی کو آگے بڑھائیں، منافقوں کو چھانٹیں، صفیں منظم کریں، باہمی اعتماد کی شمعیں جلائیں، ڈگمگاہٹ اور مرنجان مرنج رویئے سے پیچھا چھڑائیں ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کریں - اصول پسندی اور کھرے پن کا ثبوت دیں - مصلحت پرستی اور وہم پسندی کی دلدل میں گرنے سے بچیں -

قومی اور بین الاقوامی سطح پر حق و انصاف کے لئے شہید ہونے والوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، مظلوم عوام ہمارے ساتھ ہیں، انقلابی فلسفہ ہمارا رہنما ہے فتحمند قافلے ہماری پشت پر ہیں ہمارا خلوص سلامت، منزل یقیناً قدم چومے گی۔

رشید حسن خان کو رہا کیوں نہیں کیا جاتا؟



یہ تصویر پاکستان کے عظیم طالب علموں کی انقلابی تنظیم نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر رشید حسن خان کی ہے
این ایس ایف کے صدر کو ڈو میڈیکل کالج اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں انتظامیہ کی طرف سے سخت دھاندلی اور جانبداری کے خلاف احتجاج کرنے کے سرفروشانہ "جرم" میں گرفتار کیا گیا تھا۔ حالانکہ اب انتخابات جیتنے والی پارٹیوں کے تمام کے تمام کارکن رہا کئے جا چکے ہیں مگر طلبہ برادری اور مزدور طبقے کے رہنماؤں کے ساتھ حکومت نے ابھی تک سوتیلی ماں کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رشید حسن خان بھی پس زندان ہیں ان کی کال کوٹھری کے دروازے ابھی تک وا نہیں کئے گئے۔

رشید حسن خان آج بھی جیل میں بند ہیں۔ پاکستان کے طالب علم، مزدور، کسان، سیاسی رہنما اور کارکن اور عام لوگ ان کی رہائی کے لئے ان گنت مرتبہ مطالبہ کر چکے ہیں، یوم احتجاج منظم ہو چکے ہیں، وفود، حکام متعلقہ سے مل چکے ہیں اور قوم کے نئے منتخب شدہ رہنما بھی اپنے طور پر بات کر چکے ہیں، مگر رشید حسن خان آج بھی بند ہیں۔

اور پھر معاملہ صرف نظر بندی تک ہی محدود نہیں رہا ہے بلکہ اب تو یاران طریقت اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ یہ خبریں مسلسل آ رہی ہیں کہ انھیں طرح طرح سے تنگ کیا جا رہا ہے۔ انصاف کی دیوی مہر بلب ہے، قانون کا دیوتا اندھا ہے اور نوجوان نسل کا حساس رہنما، باشعور مجاہد اونچی اونچی دیواروں کے پیچھے جبر و تشدد کا نشانہ بنا ہوا ہے، وہ جس کی ایمانداری اور بیباکی کی قسم کھائی جاتی ہے آج عوام کی نظروں سے دور ہے۔ وہ جس نے عوام کیلئے اپنی جوانی لٹائی آج بے دست و پا اور مجبور و بیکس ہے۔

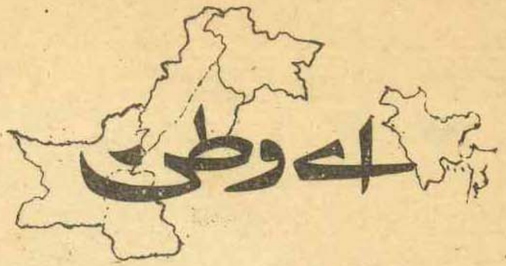
عام قوانین کے تحت، عام قیدیوں کو سزاؤں میں جو رعایت اور چھوٹ دی جاتی ہے، رشید حسن خان سے وہ بھی چھین لی گئی ہے تہذیب و تمدن کی قدریں پیروں تلے روندی جا رہی ہیں، شہری آزادی غصب ہو رہی ہے مگر حکام متعلقہ "راج ہٹ" کا مظاہرہ کئے چلے جا رہے ہیں ——— آخر کیوں؟

اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ اس طرح انسانی شعور کا قافلہ روک دیگا، نمو کی قوتوں کا گلا گھونٹ دے گا، تنظیم و اتحاد کو توڑ ڈالے گا، تو وہ وقت کے دھارے کے خلاف جا رہا ہے اور آج تک کسی آنکھ نے وقت کے دھارے کے خلاف جانیوالوں کو کامیاب ہوتے نہیں دیکھا ہاں یہ ضرور دیکھا ہے کہ اس تیز و تند دھارے نے بڑے بڑے منہ زوروں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ ڈالا خود ہمارے ملک کی اور ابھی حال کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ عوام دشمنی کبھی برگ و بار نہیں لاتی۔ عوام دشمن اقدامات ٹھٹھر کر رہ جائیں گے۔ بے حسی کی برف پگھل کر رہ جائے گی اور عزم و یقین کے پیکر خوف زدگی اور بزدلی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو چیر کر رکھ دیں گے۔

آج تک کوئی کسی کی آواز نہ کچل سکا۔ تاریخ ہزار ہا سال کا سفر طے کر چکی ہے۔ مگر انسان کا ہر قدم آگے ——— اور آگے کی طرف ہی بڑھتا رہا ہے۔ انسان دوست قوتیں زندہ جاوید ہیں، لازوال ہیں اٹل ہیں اور انھیں محبوس و مصلوب کرنے والوں کا آج نام و نشان تک نہیں ہے۔

وقت کی پکار سنو، نوشتۂ دیوار پڑھو، رشید حسن خان کو رہا کرو۔

پاکستان کیلئے فیصلے کا مرحلہ



فولاد کا کارخانہ یا بھارت کی غلامی

ہماری بین الصوبائی معاملات اور ہمارے پانی پر پہلے ہی بھارت نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ محب وطن حلقوں میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ روسی قرضے سے تعمیر کیے جانے والے فولاد کے کارخانے کے قیام کے بعد ہماری معیشت بھی بھارت کی غلام ہو کر رہ جائے گی لیکن ہماری نوکر شاہی یہ تصور کرتی ہے کہ پاکستان کے عوام بچوں کے ان کھلونوں جن پر ملمع کر دیا گیا ہے۔ بے وقوف بن جائیں گے تو وہ غلطی پر ہے۔

وہ مختلف موضوعات جو گزشتہ چند سالوں میں عوام میں اخلاقی طور پر بار بار زیر بحث آتے رہے ہیں ان میں ایک پاکستان میں فولاد کے کارخانے کے مسئلے کا موضوع بھی ہے اور اب دو دہائیوں کے گزرنے کے بعد عوام کی یاد دہانیوں اور حکمران پیشواؤں کی متواتر ہچکچاہٹ اور پس و پیش کے بعد جب خواب ایک حقیقت بنتا نظر آ رہا ہے تو ایک دوسرا سوال ابھر گیا ہے کہ اگر اس کارخانے کے لئے قرضے کے ساتھ پچھلے دروازے سے ہم پر تاشقند اسپرٹ مسلط کی جا رہی ہو تو پھر اس منصوبے کی قدر ہمارے لئے کیا ہو گی۔ کیونکہ سوویت یونین کے ساتھ حال ہی میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں جس کے مطابق دو سو ملین ڈالر سے فولاد کی تنصیبات کراچی میں لگائی جائیں گی جس کی بنیاد خام مال کی درآمدات پر ہو گی۔

اس منصوبے کے مخالفین کی جانب سے نشاندہی کی گئی ہے کہ دنیا میں کچے لوہے کے بیشتر ذخائر پہلے ہی مختص کیے جا چکے ہیں — فولاد کے کارخانے کی کارپوریشن کے چیرمین، ایس ایم یوسف گزشتہ دنوں آسٹریلیا گئے تھے اور یہ امکان بہت کم ہے کہ وہ ملک ہماری ضروریات پوری کر سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے ذخائر کے متعلق پہلے ہی جاپان سے سودا کر لیا ہے۔ اس کے بعد جو ملک رہ جاتا ہے وہ صرف بھارت ہے جس میں گوا کے مقام پر کچے لوہے کی کانیں موجود ہیں۔

ہماری فولاد سازی کی صنعت کا گوا کی کانوں سے تعلق قائم کرنے کے لئے سوویت یونین اسی وقت سے خواہش مند ہے جب سے ہماری حکومت نے اس ضمن میں سوویت امداد کی درخواست کی ہے۔ ان خفیہ کوششوں کا اندازہ کر کے جو حالیہ دنوں میں اس مقصد کے لئے کی گئی ہیں کہ بھارت سے ہمارا ٹکراؤ ختم ہو، ایک ایسی صورتحال کا تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ ہماری نوکر شاہی کس طرح بھارت سے کچا لوہا خریدنے پر "مجبور" ہے یا عوام کو اس منصوبے سے ٹکرا کر منصوبے کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں حاجی جک کا اعلیٰ قسم کا کچا لوہا جس کے استعمال کے لئے ابتداً روسیوں نے تجویز پیش کی تھی اب اس کا خیال ترک کر دیا گیا ہے، کیونکہ سیاسی طور پر روسی حکمرانوں کے لئے یہ بات زیادہ پرکشش ہے کہ ہم اس منصوبے کے لئے بھارت کے محتاج ہوں بجائے اس کے کہ ہم اس مقصد کی خاطر افغانستان سے تعلق قائم کریں۔ منصوبے کے مطابق ملز کو کراچی میں تعمیر کرنے کی وضاحت کی گئی ہے کیونکہ یہ ہمارے افسر شاہی کیلئے زیادہ آسان ہو گا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ افغانستان سے ایک ہزار میل سے بذریعہ ریل گاڑی کچا لوہا منگوانے کے بجائے بھارت سے سمندری راستے سے لوہا منگوانا آسان ہو گا۔ (زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک افسر نے پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے متعلق لکھتے ہوئے یہ دریافت کیا" کہ یہاں انسانی محنت کی قلت ہے لہذا زراعت میں میکانیکی انداز کی ضرورت ہے) جب کبھی فولاد کے کارخانے کا مسئلہ اٹھتا ہے تو ہمارے یہاں افسرانہ ہٹ دھرمی اور غرور کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے کالا باغ میں موجود کچے لوہے کو بھی لازماً استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے متعلق متعدد مرتبہ دلائل دیئے گئے ہیں کہ ان کانوں کی بنیاد پر چلایا جانے والا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔ ابتدا ہی سے انہوں نے ایک ہی سکے کے دو رخوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

کیا مسٹر ایس ایم یوسف عوام کو بتائیں گے کہ ہزاروں میل دور آسٹریلیا سے زر مبادلہ (جو ہمارے پاس بہت کم ہوتا ہے) کی قیمت پر درآمد شدہ کچا لوہا استعمال کر کے منصوبہ زیادہ کامیاب ہو گا) یا ملکی خام مال استعمال کر کے ایک بہتر منصوبہ تکمیل پائے گا۔ شاید ہمارے حکمرانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ایک ملک کی ترقی کے لئے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جا سکتا جو ایک پرائیوٹ لمٹیڈ کمپنی کو چلانے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ ملکی سالمیت کے تحفظ، اور اس کی ترقی کو برقرار رکھنے اور وطن کو بیرونی محتاجی اور بلیک میل سے آزاد کرانے کو دوسری تمام تجاویز پر اولیت حاصل ہے اگر ہم ان مقاصد کو حاصل کر سکیں تو یہ بذات خود ایک شاندار فائدہ ہو گا لیکن اگر ہم چند روپے کما کر اپنی قومی خود مختاری کھو دیتے ہیں تو ہر چیز کو کھو دینے کے مترادف ہے۔

بہرحال یہ ہماری مجبوری ہے کہ پاکستان کے کامیاب حکمران ٹولوں نے ہمیشہ پاکستان کو سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کے مابین تقسیم کر کے ان لیٹروں کو ریاست کا حصہ دار بنا دیا ہے۔ ایک فولاد کے کارخانے کے متعلق کئی سال

تک ان عناصر کا ایک منفی رویہ تھا لیکن اب اس کے قیام کے مطالبے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا نئی صورت حال جو بظاہر معلوم ہوتی ہے کچھ بھی ہو لیکن کالا باغ کا کچا لوہا استعمال ہوگا یہ مریضانہ خوف کہ پاکستان فولاد میں خود کفیل بن رہا ہے سمجھ میں آتا ہے کیونکہ یہ امریکی فولاد کا سب سے بڑا خریدار ہے اور یہاں امریکہ سے برآمد کی جانے والی کل اشیاء کا ایک تہائی حصہ فولاد سازی کی صنعت سے متعلق ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی کمیشن کے مطابق سنہ ۷۰-۱۹۶۹ء کے دوران ہماری درآمدات کے بل کا وہ حصہ جو فولاد کی درآمد سے متعلق تھا، ایک ملین ۹۷ کروڑ تیس لاکھ روپے کا تھا اور سنہ ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران یہ دو ملین اور بیس کروڑ تک پہنچ جائے گا۔ چوتھے منصوبے کی مدت کے دوران فولاد کی درآمدات کیلئے دس ملین روپے خرچ کرنے ہوں گے، اور یہ رقم ہمارے کل زرمبادلہ کی آمدنی کی سینتیس فیصد سے بھی زائد ہوگی۔ امریکی صنعت سے چھٹکارا نہ حاصل کرنے اور ان بڑے اعداد و شمار کا مطلب یہ ہے کہ تاجروں اور ان سے گٹھ جوڑ کرنیوالی افسر شاہی کو بھاری منافع مل رہا ہے۔ باہر بھیجی جانیوالی اشیاء کی قیمتوں میں زائد اندراج کر کے کس قدر رقم بچی کھاتوں میں لکھی جاتی ہے اس کا اندازہ کس کو ہے۔

ان کے جرائم ایک ہی شعبے تک محدود نہیں ہیں۔ اس امر کی بہت سی مثالیں ہیں کہ کس طرح وہ ملک کو اندھا دھند چٹان کے نیچے دھکیل رہے ہیں۔ اس کا ذرا سا بھی خیال کئے بغیر کہ کس طرح ہم مشینوں کو اپنے ملک میں کثرت سے تیار کر سکتے ہیں یہ مشینیں بھاری تعداد میں باہر سے منگوائی جا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر حال ہی میں مرکزی حکومت نے اپنے محکموں میں اعداد و شمار تیار کرنے کی مشینیں لگائی ہیں جبکہ تعلیم یافتہ افراد میں بیروزگاری خطرے کی حد تک بڑھ چکی ہے۔

سابقہ دور میں ہمیں قومی جذبات، خود انحصاری اور حقیقی آزادی کے لئے صرف ایک بڑی طاقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے لڑنا پڑتا تھا اب سوویت یونین بھی قوم کی طرف سے ان مقاصد کی مزاحمت کرنیکے لئے میدان میں اتر آیا ہے۔ ہماری بین الصوبائی مواصلات اور ہمارے پانی پر پہلے ہی بھارت نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ محب وطن حلقوں میں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ روسی قرضے سے تعمیر کئے جانیوالے فولاد کے کارخانے کے قیام کے بعد ہماری معیشت بھی بھارت کی غلام ہو کر رہ جائے گی لیکن اگر ہماری نوکر شاہی یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان کے عوام بچوں کے ان کھلونوں سے، جن پر ملمع کر دیا گیا ہے بیوقوف بن جائیں گے تو وہ غلطی پر ہیں پاکستانی عوام ان تمام سازشوں سے باخبر ہیں جو اس ملک میں بیرونی مفادات رکھنے والوں نے اندرونی ایجنٹوں کے ذریعے سے کی ہیں، وہ وقت دور نہیں ہے جب ان کے جرائم کا حساب چکایا جائے گا۔

****



ترکی میں جمہوریت اور آمریت کی کشمکش

اطہر ندیم

ترکی کے ملانصیرالدین ہدی کا ایک بار خچر گم ہوگیا۔ ملا بہت پریشان ہوئے کیونکہ زندگی کا اثاثہ تھا وہ بھی چھن گیا۔ ملا کھانا پینا چھوڑ کر خچر کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ قریبی گاؤں سے باہر ایک مکان کے اندر کہ جہت اس کی غائب تھی خچر کو بندھا پایا۔ اپنے کھوئے ہوئے خچر کو یوں سامنے دیکھ کر بدحال ملا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ مسرت کے اس لمحے ملا نے کیا ساری بات اب سمجھ میں آئی۔ اللہ میاں جب اپنے نیک بندوں کو خوش کرنا چاہتا ہے تو پہلے ان کا خچر گم کروا دیتا ہے۔ اور جب وہ تلاش کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں تو اچانک خچر انہیں واپس دلوا دیتا ہے۔ ملا نصیرالدین کے وطن میں جمہوریت کے ساتھ بھی ملا کے خچر والا معاملہ ہی ہوتا آرہا ہے۔ کبھی گم گیا۔ کبھی مل گیا۔ ایک ترکی پر کیا موقوف ہے۔ اکثر ترقی پذیر ممالک میں یہی کچھ ہوتا چلا آرہا ہے کہ جمہوریت اور جمہوری حقوق کبھی چھن جاتے ہیں کبھی مل جاتے ہیں۔ اور یوں عوام امید وبیم کے دو کناروں کے درمیان لڑھکتے پھر رہے ہیں۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ملا نصیرالدین نے مشیت ایزدی کے امور کو شاید ٹھیک ہی تو سمجھا تھا۔ ترکی میں جمہوریت کا خچر" ایک بار پھر گم ہو جانے کو ہے۔ پچھلے دنوں مسلح افواج کے کمانڈروں نے چیف آف اسٹاف جنرل محدوح طغماق کی، سربراہی میں دیمرل حکومت کو الٹی میٹم دیا کہ موجودہ حکومت نے اپنی کمزوری سے جمہوریہ ترکی کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا ہے۔ ہر طرف سیاسی اور معاشی ابتری پھیل چکی ہے۔ جس سے کمال اتاترک کی تفویض کردہ جدید تہذیب کی منزل کو پانے کے امکانات دھندلا گئے ہیں۔ اسی لئے جلد از جلد جمہوری ذرائع سے نئی مضبوط حکومت قائم کرلی جاتے۔ موجودہ ابتر صورت حال پر قابو پالیا جائے۔ ورنہ مسلح افواج نے جمہوریہ کے تحفظ کا دستوری فریضہ سرانجام دینے کا فیصلہ کرلیا ہے اور وہ تمام اختیارات براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ اس الٹی میٹم کے صرف چار گھنٹے بعد مسٹر سلیمان دیمرل نے اپنا استعفیٰ صدر جمہوریہ جنرل سنائے کو بھجوا دیا۔ ادھر ساتھ ہی فوج میں تطہیر بھی شروع کردی گئی ہے۔ اسی وقت تک بیس فوجی افسر جن میں ۵ جنرل اور ۹ کرنل کے عہدے کے افسران بھی شامل ہیں فوج سے نکال دئے گئے ہیں۔ اور بہت سے افسروں کے دور دراز علاقوں میں تبادلے کردئے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ الٹی میٹم دراصل نکالے جانیوالے ان افسران کے دباؤ میں دیا گیا تھا۔ ان شواہد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فوج کی موجودہ مداخلت کا عوام نے اچھا تاثر نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں سیاسی بحران زیادہ ہوتا جارہا ہے وہاں اس مداخلت کے چند دن بعد ہی فوج میں اعلیٰ سطح پر تطہیر کی ضرورت پیش آگئی۔ اس سے

پہلے مئی ۱۹۶۰ء میں بھی فوج نے براہِ راست مداخلت کی تھی۔ لیکن موجودہ مداخلت اور پہلی مداخلت کے محرکات اور حالات مختلف تھے۔

اس لئے اس کا ردعمل بھی مختلف ہوا تھا۔ اور اگر ان حالات اور محرکات کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۹۶۰ء والی فوجی مداخلت اور موجودہ فوجی مداخلت پر عوام اور باشعور طبقوں کے ردعمل مختلف کیوں ہیں۔

مئی سنہ ۱۹۶۰ء کی فوجی مداخلت کے محرکات

ترکی میں ۱۹۵۰ء میں صدر جلال بایار اور عدنان مندریس کی ڈیموکریٹک پارٹی برسر اقتدار آگئی تھی۔ اسی پارٹی کی طاقت کی بنیاد ترکی کے زمیندار طبقے کی حمایت پر تھی۔ چنانچہ برسر اقتدار آنے کے بعد عدنان مندریس نے اپنی حکمت عملی کی بنیاد جن مقاصد پر رکھی ان میں بیرونی اشیاء کی درآمد کی بجائے بیرونی سرمائے کی وسیع پیمانے پر درآمد شامل تھی۔ "سیاسی استحکام" بیرونی سرمایہ کاری کے تحفظ اور گماشتہ اجارہ دار سرمایہ دار طبقے کی تخلیق کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اس قسم کے سیاسی استحکام" پیدا کرنے کے لئے حزب مخالف اور اخبارات کا گلا گھونٹنا منطقی ضرورت بن جاتا ہے۔ لہٰذا مندریس حکومت نے متواتر ایسے اقدامات کئے اور ایسے قانون

جمہوریت اور آمریت کی پنجہ آزمائی

ترکی اور پاکستان میں ایک ہی انداز میں جاری رہی ہے

بنائے جس سے حزب مخالف زیادہ سے زیادہ پابند ہوتی گئی۔ اسی کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی سخت ہوتی گئی۔ اور شہری حقوق کی پامالی ہوتی گئی۔ اور پریس کی آزادی کی حالت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ اس دس سالہ دور میں دو سو سے زائد صحافی جیل کی کوٹھریوں میں پڑے سڑتے رہے۔ جن کا گناہ صرف یہی تھا کہ وہ مندریس حکومت کے اعمال کی حرف گیری کرتے تھے۔

مندریس کے دور حکومت اور پاکستان میں ایوب کے دور حکومت میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے اقدامات طریق کار سماجی، معاشی اور اقتصادی صورت حال میں بہت زیادہ مشابہت ملتی ہے اور یہ بھی تاریخی تواردہی ہے کہ دونوں کے خلاف احتجاج کا آغاز بھی ایک ہی طرف سے ہوا اور اس احتجاج میں شدت بھی ایک طرح کے اقدامات اور ان کے ردعمل نے پیدا کی۔ البتہ انجام میں ضرور فرق ہے۔ جزیہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ۱۹۶۰ء میں جبکہ مندریس کے اقتدار کا دسواں سال تھا۔ اس نے ایک بااختیار تحقیقاتی کمیشن قائم کیا۔ جس کا مقصد عصمت انونو کی جماعت ریپبلکن پارٹی کے سرگرم اراکین اسمبلی کے خلاف "وطن دشمنی اور انتشار پسند" سرگرمیوں کی تحقیقات کرنا تھا۔ یہاں ذرا ایوب حکومت کے اسی نوعیت کے اقدامات

یاد کیجیے۔

پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کے تحت اس کمیشن کو جو اختیار دیے گئے وہ صرف مطلق العنان بادشاہوں کو حاصل تھے۔ اس کمیشن کے قیام اور اختیارات کا مقصد صرف یہ تھا کہ مندریس اپنی مخالفت میں ابھرنے والی ہر آواز کو دبا دیتا۔ بلکہ کچل دینا چاہتا تھا۔ اس کالے قانون کے خلاف استنبول یونیورسٹی کے طلباء نے احتجاج کیا۔ اسی زمانے میں جنوبی کوریا کے آمر اور سامراجی ایجنٹ سنگمن ری کے خلاف بھی طالب علموں کی طوفانی تحریک جاری تھی اور اس کے نتیجے میں سنگمن ری کو اقتدار چھوڑنا پڑا تھا۔ غیر طلباء نے مندریس کے جمہوریت کش اقدامات کے خلاف احتجاج کیا۔ اور کمال اتاترک کے مجسمے کے گرد جمع ہو کر آزادی زندہ باد اور آمریت مردہ باد کے نعرے لگائے۔ پولیس اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے فوراً حرکت میں آگئی اور یونیورسٹی کے احاطے میں داخل ہو کر طلباء کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ یونیورسٹی کے پریزیڈنٹ کے احتجاج کے جواب میں اسے بید روی سے مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا اور اسے جیپ میں ڈال کر لے گئے۔ احتجاج شدت اختیار کر گیا۔ تو گولی چلا دی گئی۔ اور دو طالب علم ڈھیر ہو گئے۔ اگلے دن پہلے سے بھی بڑا مظاہرہ ہوا۔ پولیس نے گولی چلائی۔ ۲۰ طالب علم ڈھیر ہو گئے۔ مظاہروں کا یہ سلسلہ استنبول سے نکل کر انقرہ ازمیر اور دوسرے شہروں میں پھیل گیا۔

طلباء کے مظاہرے ہوتے رہے گولیاں چلتی رہیں۔ آزادی کے متوالے شہید ہوتے رہے۔ مندریس نے بڑے بڑے شہروں میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور جابرانہ کارروائیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ (یہاں بھی ایوب کا طرز عمل نہ بھولیے) سڑکیں، بازار، گلی کوچے مندریس استعفیٰ دو، آمریت مردہ باد کے نعروں سے گونجتی رہیں لیکن مندریس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ پارلیمنٹ کے اندر بزرگ سیاستدان اور کمال اتاترک کے دست راست عصمت انونو نے چیخ کر کہا۔ جنوبی کوریا کے ڈکٹیٹر سنگمن ری کا حشر یاد رکھو۔ کیا ترکوں میں جنوبی کوریا کے لوگوں جتنی بھی عزت نفس نہیں۔ لیکن مندریس پر اثر نہ ہوا۔ وہ ری پبلکن پارٹی پر غداری، اور وطن دشمنی کے الزامات لگاتا رہا۔ اور طلباء کو غداروں کے آلہ کار قرار دیتا رہا۔ طلباء کی تحریک میں دانشور طبقہ چھوٹا تاجر طبقہ اور وکلاء اور عوام بھی شامل ہو گئے۔ مگر مندریس نے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ انہیں دنوں ازمیر میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سڑکوں پر اچھل کود کرنے والے چند لونڈے مجھے استعفیٰ دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

اس پر مندریس حکومت نے فوج میں تطہیر شروع کر دی جب صورت حال یہاں تک بگڑ گئی تو چیف آف اسٹاف جنرل جمال گرسل نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور ڈیموکریٹک پارٹی کے اکابرین اور اکثر اراکین پارلیمنٹ کو حراست میں لے لیا۔ اس موقع پر جمال گرسل مرحوم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر صورت حال درست نہ ہوگی تو ایک ماہ۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور بس۔ اسٹیٹل یونین کمیٹی کے نام پر ۳۶ افسران پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی اور اس کی طرف سے جناب جمال گرسل نے سول اور فوجی افراد پر مشتمل کابینہ تشکیل دی۔

ایک دلچسپ واقعہ بھی ہوا جس طرح ایوب کے خلاف مظاہروں کے دوران کنونشن لیگ نے جوابی مظاہروں کی کوششیں کی تھیں بالکل اسی طرح مندریس حکومت نے بھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسے عوامی حمایت حاصل ہے جوابی جلوس کا پروگرام بنایا۔ اور پولیس کو جلوس منظم کرنے کی ہدایت کی۔ ۵ مئی کو ۹ بجے کا وقت طے ہوا۔ طلباء کو بھی خبر ہو گئی۔ اس چوک میں جہاں یہ مجمع اکٹھا ہوا تھا اور مہمان عدنان مندریس نے ان سے ملاقات کرنا تھی۔ طلباء بھی نہایت خاموشی سے وہاں پہنچ کر ادھر ادھر بیٹھ رہے۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب عدنان مندریس کار میں وہاں پہنچا۔ کار رکی اور عدنان مندریس مسکراتے ہوئے اعتماد کے ساتھ کار سے باہر نکلے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہزاروں طالب علم چاروں طرف سے امڈ پڑے اور حیران و پریشان مندریس کو گھیر لیا۔ "مندریس مستعفی ہو جاؤ" آمریت مردہ باد، حریت زندہ باد۔ پریشان حال مندریس بڑی مشکل سے جان چھڑا کر کار میں بیٹھے اور کار بھگا کر لے گئے۔ یہ ان کی زندگی کی تیز رفتار ترین ڈرائیونگ تھی۔

انہیں دنوں پنڈت نہرو ترکی کے دورے پر گئے۔ جس وقت وہ استنبول پہنچے تو سڑکیں مظاہرین سے بھری پڑی تھیں۔ وہ آزادی زندہ باد اور آمریت مردہ باد کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ استقبال کے لئے آتے ہوئے فوجی اکیڈمی کے ۵۰۰ کیڈٹ جب سڑکوں سے گزرے تو مظاہرین کو دیکھ کر انہوں نے بھی اتاترک کا نغمۂ فتح گانا شروع کر دیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر دھند چھائی ہوئی ہے۔ ساتھیو! بڑھے چلو! بڑھے چلو ساتھیو! لوگوں نے ترک فوج زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دئے۔ جواب میں کیڈٹوں نے "ترک قوم زندہ باد" کے نعرے بلند کئے۔ اگلے دن جب وزیر دفاع نے کیڈٹوں سے بازپرس کی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ تم لوگ استعفیٰ کیوں نہیں دیتے۔؟

۱۹۶۵ء کے بعد ترکی کے سیاسی عناصر کی صف بندی کا عمل زیادہ تیز ہو گیا۔ دائیں بازو اور بائیں بازو کی کشمکش شدت اختیار کر گئی۔ حکومت کی معاشی پالیسیوں کی وجہ سے غیر ملکی سرمائے اور سامراجی اثر کے خلاف قوم پرست اور بائیں بازو کے عناصر کا احتجاج بہت زور پکڑتا گیا۔ کچھ عرصے سے بائیں بازو کے طلباء نے ترکی میں مقیم امریکیوں پر مسلح حملے شروع کر رکھے تھے۔ پچھلے دنوں چار امریکیوں کو اغواء کر لیا تھا۔ طلباء اور پولیس کے درمیان مسلح تصادم روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس سے استحکام، خطرے میں پڑتا جا رہا ہے اور مسلح افواج کے سربراہوں نے بھی یہی الزام لگا کر الٹی میٹم دیا ہے کہ ڈیمرل حکومت کی کمزوری کی وجہ سے "سیاسی استحکام" خطرے میں پڑ گیا ہے۔

جب کچھ حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ فوج مستقل طور پر برسر اقتدار رہنا چاہتی ہے تو جمال گرسل نے "قومی پارلیمنٹ کی عمارت میں بے شمار شہریوں، غیر ملکی سفارتی نمائندوں اور صحافیوں کے روبرو نیشنل کمیٹی کے تمام اراکین سے حلف اٹھوائے۔ "میں حلفاً عہد کرتا ہوں کہ میں جمہوریت قائم کرنے اور تمام اختیارات منتخب قومی اسمبلی کو منتقل کرنے سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔"

چنانچہ مئی ۱۹۶۰ء کی فوجی مداخلت اور موجودہ فوجی مداخلت میں یہی بنیادی فرق ہے۔ جہاں جنرل گرسل کی فوجی مداخلت عدنان مندریس کے "سیاسی استحکام" کے نام پر کئے جانے والے جابرانہ اور آمرانہ اقدامات، پارلیمانی روایات کی پامالی اور پریس کا گلا گھونٹنے کی کارروائیوں کے خلاف جمہوریت پسند عناصر کے احتجاج کے نتیجے میں کی گئی تھی۔ وہاں موجودہ مداخلت سیاسی استحکام قائم نہ رکھنے کے الزام کے تحت کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوامی حلقوں کی طرف سے اس مداخلت کو خوش آمدید نہیں کہا گیا۔ عوامی حلقوں میں یہ شک زور پکڑ رہا ہے کہ موجودہ مداخلت ایک با اثر اقلیت اور مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے کی گئی ہے۔ عوامی مفادات کے تحفظ کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں سیاسی بحران میں اضافہ ہوا وہاں فوج میں پھوٹ پڑ گئی۔ ورنہ اسی زمانے میں اعلیٰ سطح پر تطہیر کی اور تو کوئی ضرورت نہیں آتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ جمہوریت کا چہرہ جو گم ہو گیا ہے واپس کب ملتا ہے۔؟

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ترکی کے صدر جودت سنائی نے ایک ماہر قانون اور سابق وزیر اعظم جناب سلیمان ڈیمرل کی جسٹس پارٹی کی سب سے بڑی مخالف سیاسی جماعت ری پبلکن پارٹی کے رکن جناب نہاد ارم کو عبوری حکومت تشکیل کرنے کی دعوت دی ہے۔ یوں اگر جناب نہاد ارم جسٹس پارٹی اور ری پبلکن پارٹی کی مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو آپ ترکی کے اٹھارویں وزیر اعظم ہوں گے۔ واضح رہے کہ ترکی قومی اسمبلی کے ۴۵۰ اراکین میں سے ۳۷۰ کا تعلق جسٹس اور ری پبلکن پارٹیوں سے ہے۔

ترکی کا موجودہ سیاسی بحران حال ہی میں چار امریکی فوجیوں (جو اب رہا ہو چکے ہیں) کے اغواء کے بعد شروع ہوا تھا۔ انہیں اغواء کرنے والے طالب علم نوجوانوں نے چاروں فوجیوں کی زندگی کے عوض چار لاکھ ڈالر مانگے تھے، لیکن نہ تو امریکی حکومت نے اور نہ ہی ترک حکومت نے یہ رقم دینے کا ارادہ ظاہر کیا، بلکہ جواباً چاروں اغواء شدہ فوجیوں

کی زیادہ سختی سے تلاش شروع کردی گئی۔ ایک چھاپہ مڈل ایسٹ ٹیکنیکل یونیورسٹی پر بھی مارا گیا۔ جس کے نتیجے میں فوج اور طالب علموں کے درمیان مسلح جھڑپ ہوئی اور ایک فوجی اور ایک طالب علم کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بیس طالب علم اور دو فوجی شدید زخمی ہوئے۔ علاوہ ازیں کوئی ساڑھے تین سو طالب علموں کو گرفتار بھی کیا گیا۔

وقت گزرتا رہا اور اغواء کئے جانیوالے فوجیوں کی بازیابی میں حکومت کی ناکامی دیکھتے ہوئے تینوں مسلح افواج کے سربراہوں نے سول حکومت کے نام ایک پیغام بھیجا کہ:۔

"پارلیمنٹ اور حکومت نے اپنی پالیسیوں اور طرز عمل سے ملک کو تباہی کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔ اگر حکومت اور پارلیمنٹ آئین کے مطابق اصلاحات کا کام نہیں کر سکتیں تو لامحالہ فوج کو جمہوریہ کے تحفظ کے لئے آگے بڑھنا ہوگا اور اس سلسلہ میں اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔"

تینوں مسلح افواج کے سربراہوں کے اس پیغام کے بعد سابق وزیر اعظم جناب سلیمان دیمرل کے پاس سوائے مستعفی ہو جانے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ یوں جناب سلیمان دیمرل (جو فخریہ کہا کرتے تھے کہ مجھے پارلیمانی اکثریت ہی وزارت عظمیٰ سے ہٹا سکتی ہے) خود ہی اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔

ترکی میں بایاں بازو کبھی اتنا طاقتور نہیں رہا جتنا آج نظر آتا ہے۔ یہاں بائیں بازو کے نظریات کی حامل ایک ہی سیاسی جماعت (ٹرکش لیبر پارٹی ہے) اور یہ جماعت کسی انتخاب میں تین فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ لیکن گذشتہ تین برسوں کے دوران ترکی میں افراط زر کے بڑھتے ہوئے رجحان نے مختلف النوع معاشی مسائل کو جنم دیا۔ جس کے نتیجے میں ملک کے مزدوروں اور طالب علموں میں بے چینی پھیلی۔ سرعام تشدد کی باتیں ہونے لگیں اس سلسلے میں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے طالبعلموں کا ایک گروہ تو اتنا آگے بڑھ گیا کہ اس نے ایک "عوامی فوج آزادی" قائم کرلی۔ دیو گنج نامی اس تنظیم کی سرگرمیوں میں تشویشناک حد تک اضافہ ہونے لگا۔ بنک لوٹے اور بیرونی سفارت خانے دستی بموں سے اڑائے جانے لگے۔ ماہ فروری میں امریکی فضائیہ کے سارجنٹ کو اغوا بھی کیا گیا تھا۔ حکمران جسٹس پارٹی میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ جس کی وجہ سے صورتحال اور بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب حزب مخالف کے لیڈر کھل کر مطالبہ کرنے لگے کہ جناب دیمرل کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ مخالفت بڑھتی جا رہی تھی۔ تشدد کی وارداتوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایسے میں فضائیہ کے سربراہ محسن بطور نے کھل کر کہا کہ موجودہ حکومت کو دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ جناب سلیمان دیمرل نے ہوا کا رخ دیکھتے ہوئے تیزی کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔

طالب علموں کے مسائل حل کرنے کے لئے انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی بل پیش کئے۔ مگر اس کے باوجود تشدد کی کارروائیوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ عین ان ہی دنوں جناب دیمرل کے بارے میں یہ بات مشہور ہوئی کہ انہوں نے اپنے دو بھائیوں کی امداد کے لئے ذاتی اثر و رسوخ کے ذریعہ خطیر رقم بطور قرضہ حاصل کی ہے۔ ہوتے ہوتے نکلی کوٹھوں چڑھی کے مصداق جب یہ بات مشہور ہوئی اور اس نے اسکینڈل کا روپ دھارا تو پارلیمنٹ میں حزب اختلاف کے اراکین نے تجویز پیش کی کہ اس الزام کی باقاعدہ عدالتی تحقیقات ہونی چاہیئے لیکن (جیسا کہ بعض اخبارات لکھتے ہیں۔) یہاں بھی سابق وزیر اعظم نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس تجویز کو دبا دیا۔ ابھی وہ اس مسئلے سے نمٹنے ہی نہ تھے کہ اطلاع آئی کہ چار امریکی فوجیوں کو بائیں بازو کے انتہا پسند طلباء کی جماعت دیو گنج نے اغواء کر لیا۔

اس اطلاع کے بعد حالات اس تیزی سے بدلنے لگے کہ آخر کار جناب سلیمان دیمرل کو مستعفی ہونا ہی پڑا۔

سابق وزیر اعظم ترکی ۱۹۶۵ء میں برسر اقتدار آئے تھے۔ آپ انجینئر ہیں اور آئزن اور اسکالرشپ پر اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جا چکے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں جناب دیمرل کو دوبارہ منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن فوراً ہی بعد آپ اپنی مقبولیت کھونے لگے۔

پارلیمنٹ میں اکثریت نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا، یوں خود ان کی پارٹی دو گروہوں میں بٹ گئی۔ پھر یہ حالت ہو گئی کہ بسا اوقات معمولی بل پاس کرانے کے لئے بھی انہیں بڑی مشکل پیش آتی تھی۔ انتہا پسند دائیں بازو کے اراکین اور اعتدال پسندوں کے درمیان اختلافات اتنے بڑھے کہ اکثر نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچی۔ ان جھگڑوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کام متاثر ہونے لگا اور معاشی و سماجی مسائل جوں کے توں پڑے رہے۔ ۔ ۔ ۔ جناب نہاد ارم ایک مستحکم اور پائیدار مخلوط حکومت تشکیل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس ترکی میں پارلیمانی جمہوریت کو ایک موقع اور مل سکتا ہے۔ اور اگر وہ اس سلسلہ میں ناکام رہے تو لامحالہ فوج کو آگے بڑھنا ہوگا۔ اور یہ اقدام پارلیمانی جمہوریت کے حق میں سم قاتل ثابت ہوگا۔ کم از کم اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک یہاں پارلیمانی جمہوریت کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہوگا۔

ترکی کے حالیہ واقعات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ترکی فوج امریکی سامراج کی مطیع اور فرمانبردار ہے اور اس کے احکامات کے مطابق اس نام نہاد پارلیمانی جمہوریت کی بھی قاتل ہے جو امریکی سامراج کی خدمت کرنے میں بیہودہ برابر بھی کسی غلطی، سستی اور غیر مستعدی کا ارتکاب کرتی ہے۔ نہاد ارم کی نئی حکومت ترکی کے عوام کے لئے جلاد سے کم نہ ہوگی!"

ابھی یہ سطور لکھی ہی گئی تھیں کہ ترکی کی نئی حکومت کی سیاہ کاریوں کی خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ نہاد ارم کی زیر قیادت اس نئی حکومت نے ترک عوام پر ظلم و تشدد کے دروازے کھول دئے۔ اس حکومت کے ظلم و تشدد کے خلاف مختلف مقامات پر کسانوں نے مظاہرے کئے اور عوام کے غیظ و غضب سے بچنے اور انھیں کچلنے کیلئے حکومت نے کئی صوبوں میں مارشل لا نافذ کر دیا ہے۔ ایک تازہ ترین خبر کے مطابق عوام پر ہونے والے ظلم و ستم پر تنقید کرنے کے جرم میں ترکی کے کئی اخبارات پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

ایک طرف تو امریکی سامراج کی دلالی کرتے ہوئے حکومت اندرون ملک محب وطن عوام پر ظلم و ستم کر رہی ہے، انھیں جمہوری حقوق سے محروم کر رہی ہے اور ان کی ہر قسم کی آزادی سلب کر لی ہے اور دوسری طرف اپنے سیاہ کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی غرض سے عوامی جمہوریہ چین سے تعلقات بڑھانے کی باتیں کر رہی ہے لیکن وقت اب اس قدر آگے بڑھ چکا ہے کہ سامراجی عزائم و مقاصد کسی بھی نقاب میں چھپے نہیں رہ سکتے۔ ترک عوام چین دوستی کے جھوٹے اور گمراہ کن پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر امریکی سامراج اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف جدوجہد سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

چھ نکاتی پروگرام کا

طبقاتی تجزیہ

۱۹۴۷ء میں برصغیر ہند کے شمالی مغربی اور شمال مشرقی کونوں میں مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ برصغیر کا باقی حصہ بھارت کہلایا۔ ہرچند کہ برطانوی سامراج ایسٹ انڈیا کمپنی کی قزاقانہ تجارتی مہم سے لیکر ۱۸۵۷ء کی ناکام جدوجہد آزادی تک کے عرصہ میں تمامتر پاپڑ بیلنے کے بعد حاصل کردہ ہندوستان جیسی "سونے کی چڑیا" کو رضاکارانہ طور پر چھوڑنے اور اپنے "جملہ حقوق اور شاہی مفادات" سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن کشتی کو ڈوبتا دیکھ کر وہ ہندوستان کو چھوڑنے پر مجبور ہو ہی گیا۔ مگر اس کے باوجود وہ اس فکر میں تھا کہ اپنا جو کچھ بھی اثاثہ بچا سکے سامراجی ہیر پھیر سے بچا ہی لے۔

برصغیر کے اردگرد انقلابی لہریں طوفانی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ سرزمین چین پر اس دور کا عظیم ترین انقلاب بے مثال وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ ایک چوتھائی انسانیت کی کایا پلٹ رہا تھا۔ عوامی جمہوریت کا سرخ پرچم چین کے میدانوں اور شہروں کو لالہ زار بنا رہا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا کی دوسری قومیں بھی سامراجی لٹیروں اور ان کے مقامی خیمہ برداروں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھیں۔ برصغیر ہند میں عوامی جدوجہد کے شعلے آگے بڑھ کر افواج اور دوسرے سرکاری ملازمین کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ ہندوستان نیوی نے برطانوی سامراج کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس آزادی کے دینے میں جلد بازی کا ایک اور سبب بھی تھا وہ یہ کہ برطانوی سامراج دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی سامراج کے ماتحت ہو گیا تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکی سامراج نے جرمنی، اطالوی اور جاپانی سامراج کی جگہ سنبھال لی تھی۔ چنانچہ امریکی سامراجیوں کا منصوبہ یہ رہا ہے کہ وہ دنیا کے دوسرے چھوٹے موٹے سامراجیوں کو ہضم کر کے، مظلوم اقوام کی جدوجہد آزادی کو ملیامیٹ اور ملیامیٹ و نابود کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی نظریں ہندوستان کی وسیع مارکیٹ پر بھی تھیں اور وہ انگریز کی جگہ یہاں خود اپنا سیاسی غلبہ قائم کر کے سامراجی لوٹ مار کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے برطانوی سامراج پر ان کا دباؤ یہ تھا کہ وہ برصغیر میں عوامی جدوجہد کی شدید لہر اٹھنے سے پہلے پہلے اس کو چھوڑ دے ورنہ امریکی سامراج کے ذلیل ترجمان جان فاسٹر ڈلس کے الفاظ میں!

"اگر مغرب کی طاقتیں نوآبادیاتی نظام کو جوں کا توں قائم رکھنے پر ضد کرتیں تو متشدد انقلاب کا آنا لازمی ہو جاتا۔ جس کا نتیجہ یقینی طور پر مغرب کی شکست فاش ہوتا"

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں سامراجیوں نے اپنا ٹھیٹ نوآبادیاتی چولا اتار کر نیم نوآبادیاتی چولا پہن لیا۔

پاکستان کی تاریخ کے آغاز ہی سے استحصالی طبقوں نے عوامی مسائل کے حل کرنے کے نعروں کو اپنی سیاسی موشگافیوں، اپنے محلاتی جوڑ توڑ اور اپنی سازشوں کا تابع بنا کر رکھا ہے۔ پچھلے تئیس برسوں میں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ لٹنے والے طبقے اور قومیتیں اپنے مسائل کے حل کیلئے استحصالی طبقوں کے سیاسی نمائندوں کی طرف امید لگائے رکھیں اور محنت کش عوام ان کے سیاسی اقتدار کو ختم کر کے اپنے عوامی سیاسی اقتدار کو قائم کرنے کی جدوجہد سے لاتعلق رہیں۔

مئی ۷۱ء

مگر ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء، اور ۱۹۷۰ء میں استحصالیوں کی یہ تمام کوششیں اور سازشیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اور عظیم عوامی ابھار نے اس زور کا دھاوا بولا کہ استحصالیوں کا قائم کردہ پورا معاشی، ثقافتی اور سیاسی ڈھانچہ چٹخ کر رہ گیا۔ اس تبدیلی اور پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتحال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی وجوہات کا تفصیلی جائزہ لیں۔

پاکستان کی معیشت، سیاست اور ثقافت میں پاکستان کے مخصوص جغرافیائی محل وقوع کا بڑا دخل ہے۔ یہ پاکستان کی منفرد خصوصیت ہے کہ پورا ملک ۲ حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ اور ان دونوں حصوں کے درمیان وہ بھارتی علاقہ ہے جس سے علیحدگی کے بعد ہی پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مشرقی پاکستان مغربی حصے میں واقع چاروں صوبوں سے مجموعی طور پر آبادی کے لحاظ سے بڑا اور رقبہ کے لحاظ سے چھوٹا ہے۔ پاکستان کی آبادی قومیتوں کے لحاظ سے پانچ بڑی قوموں میں بٹی ہوئی ہے۔ مغربی پاکستان میں پنجابی، پٹھان، بلوچ اور سندھی قوموں کی آبادی ہے۔ مشرقی پاکستان میں بنگلہ قومیت سے وابستہ باشندوں کی اکثریت ہے۔ ان کے علاوہ پاکستان کے تمام صوبوں میں بھارت سے ہجرت کر کے آئے ہوئے مہاجرین بھی آباد ہیں۔ سندھ، پنجاب اور بنگال میں مہاجروں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ مہاجر آبادی وقت کے ساتھ ساتھ مقامی آبادی میں ضم تو ہو رہی ہے مگر ابھی زبان، ثقافت اور معیشت کے تضادات قائم اور باقی ہیں۔ پاکستان کے دو صوبے بنگال اور پنجاب، متحدہ بنگال اور متحدہ پنجاب کے تقسیم شدہ مشرقی اور مغربی حصے ہیں۔

بین الاقوامی سرحدوں کے لحاظ سے بھی پاکستان کا محل وقوع غیر معمولی نوعیت کا حامل ہے۔ مشرقی پاکستان، شمالی مغربی اور مشرقی سمت میں بھارت سے ملا ہوا ہے۔ اس کے جنوب میں خلیج بنگال واقع ہے۔ اور جنوب مشرق میں اس کی تھوڑی سی سرحد برما سے بھی ملی ہوئی ہے۔ اسی سمت میں لاؤس، کمبوڈیا، تھائی لینڈ اور ویتنام واقع ہیں۔ مغربی پاکستان مشرق میں بھارت، شمال میں عوامی جمہوریہ چین اور جنوب میں بحیرۂ عرب، مغرب میں افغانستان و ایران سے منسلک ہے۔ اسی سمت میں مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک واقع ہیں۔ بین الاقوامی سیاسی صورتحال میں پاکستان کی اس جغرافیائی پوزیشن کی بڑی اہمیت ہے۔

آج پوری دنیا واضح طور پر دو کیمپوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک کیمپ میں امریکہ
روس اور ان کے پٹھو، دلال، ہمنوا، حلیف، طفیلی اور حار... ہی تو فرقہ
...ئی وفاقی بینک قائم
پورا کا پورا کیمپ لٹیروں اور ان کے زیر تسلط ... سے وسائل یا سرمایہ کو ملک
اور کیمپ اپنے اپنے مفادات کے تحت میں جانے سے روکا جا سکے۔
یہ تصادم نہ صرف سیاسی لگانے کا حق وفاق بنانے والی ریاستوں کو ہو گا
پوری دنیا کو باہم ... ادا کریں گی اُن سے وفاق چلانے کے اخراجات ... کیلئے
رہتے ہیں ... سب سے رقم ادا کریں گی تاکہ دفاع اور محکمہ خارجہ
... پورے ہوں، اس کے لئے طریقۂ کار اور تناسب کا تعین دستور
... جائے گا۔ اس طرح اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ وفاقی حکومت کے
اخراجات مسلسل پورے ہوتے رہیں گے اور یہ مقصد بھی پورا ہو جائے گا کہ ٹیکس
لگانے کی پالیسی وفاق بنانے والی ریاستوں کی حکومتوں کے اختیار میں ہو گی۔

۵- دستور میں اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ وفاق بنانے والی ریاستیں جس قدر زرمبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں، وفاقی حکومت

روسی سوشل سامراج کے کیمپ میں زبردست دراڑیں ڈالدی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لیڈروں کا ظالم کیمپ روز بروز کمزور ہوتا جارہا ہے۔ اور مظلوموں کا کیمپ دن بدن مضبوط ہو رہا ہے۔ نظریہ اور عمل کی یکسانیت باہمی خلوص، ہمنوائی اور بھائی چارے کی بدولت یہ کیمپ فولاد ہے۔

جیسے جیسے مقابلہ بڑھتا جارہا ہے سامراجی اور سوشل سامراجی کیمپ اپنے تسلط کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لئے جنگیں کررہا ہے پھیلا رہا ہے ہتھکنڈے استعمال کررہا ہے۔ اور لوٹ مار مچا رکھی ہے نتیجے میں عوام اس کیمپ کا گھیراؤ کررہے ہیں اور یہ ہر جگہ نرغے میں آتا جارہا ہے۔ یہ عوام دشمن کیمپ گھبراہٹ اور دیوانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اب مشرق بعید کے دوسرے ملکوں کی مثال کی طرح بہ خدانخواستہ ایک دن ضرور یہاں بھی آدھمکیں گے۔ سیٹو کا یہی مقصد ہے۔ ادھر سینٹو کے ذریعے جو رشتے ناطے استوار کئے گئے ہیں ان کے ڈانڈے مشرق وسطیٰ سے ملتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی موجودہ سیاست اس امر کی متقاضی ہے کہ آج بھیس نو کل فلسطین اور دنیائے عرب کی سامراج دشمن عوامی جدوجہد کو بالکل ہی کچل کر رکھ دیا جائے۔ لیڈروں کی یہی سوچ اور یہی کوشش ہے۔ اسرائیل اور مصر کی جس انداز اور جس مقصد کے تحت سرپرستی کی جارہی ہے اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے۔ چین کے اردگرد جو حصار قائم کیا جارہا ہے اس میں مغربی پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن کی بڑی اہمیت ہے۔

> **آج پوری دنیا واضح طور پر دو کیمپوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک کیمپ میں امریکہ، روس اور ان کے پٹھو، دلال، ہمنوا، حلیف، طفیلی اور حاشیہ بردار شریک ہیں۔ یہ پورے کا پورا کیمپ لیڈروں اور ان کے زیر تسلط نوآبادیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے کیمپ میں عوامی جمہوریہ چین اور اپنی خودمختاری کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے والے تمام نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ممالک اور اصول پرست عوام شامل ہیں۔**

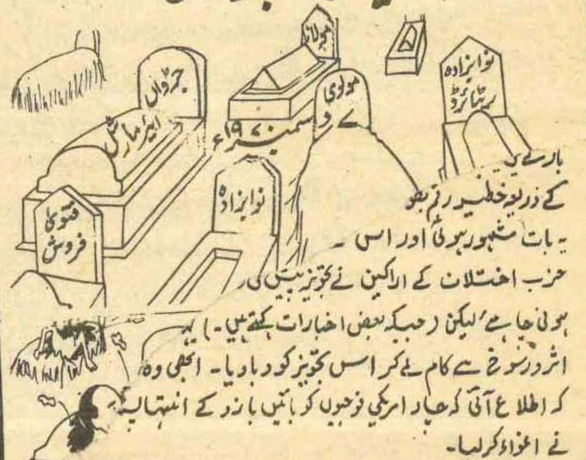
عوامی جمہوریہ چین کے اردگرد گھیراؤ ڈالنے کے چکر میں ہے۔ جنوبی ویتنام کی جنگ نے پورے مشرق بعید کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ویت نام، کمبوڈیا، لاؤس اور تھائی لینڈ تک یہ جنگ پھیل چکی ہے۔ مشرقی پاکستان اپنے محل وقوع کی وجہ سے امریکی سامراج کا پسندیدہ خطہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ متعدد بار مشرقی پاکستان کو براہ راست "امداد وغیرہ" دینے کی خواہش کا اظہار کرچکا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتحال میں اس کی اہمیت اور بڑھ جائے گی اور یہ ایک یقینی امر ہے کہ جب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلے گا تو امریکی سامراج باؤلے کتے کی طرح مشرقی پاکستان میں گھس کر پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کو بھی اسی طرح روند ڈالے گا جس طرح کہ ویتنام، کمبوڈیا اور لاؤس میں تمام بین الاقوامی معاہدوں کے باوجود روند ڈالا ہے۔ اور روسی سوشل سامراج جس نے کمبوڈیا میں سامراج کی کٹھ پتلی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے، یہاں پر، کمبوڈیا میں اپنے موجودہ کردار سے بھی بدتر کردار ادا کرے گا۔

افغانستان میں روس کا جو غلبہ ہے اس کے پس منظر میں روس کی اس تجویز کی غرض و غایت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے جو اس نے "ایشین سیکورٹی اسکیم" کے نام سے پیش کی تھی۔ روس اور امریکہ کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ پاکستان مکمل طور پر ان کا اسی طرح پٹھو بن جائے جس طرح بھارت بنا ہوا ہے۔ کنفیڈریشن اور مشترکہ دفاع وغیرہ کی کھسر پھسر کا یہی مطلب ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور معاہدہ تاشقند اسی کوشش کی تکمیل اور اسی مطلب کے حصول کے گرم و نرم طریقے تھے۔

اس کیمپ کی حتی الامکان بھاگ دوڑ یہ ہے کہ پاکستان اس کے چوکھٹے میں فٹ ہو جائے۔ فی الوقت تو وہ پورے پاکستان کے چکر میں ہیں۔ لیکن عالمی واقعات شاہد ہیں کہ اگر یہ لیڈرے اپنے مقاصد میں صد فی صد کامیابی حاصل نہیں کرپاتے تو پھر کاٹ چھانٹ کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں۔ کبھی شمالی اور جنوبی کی تقسیم کردیتے ہیں اور کبھی مغربی اور مشرقی کا خط امتیاز کھینچ دیتے ہیں۔ اور اپنے تمام غیر معمولی ذرائع و وسائل کی مدد سے ہر وقت ہی ایسے حالات پیدا کرنے کی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ متعلقہ ممالک کے اندرونی معاملات میں پورے ڈھیٹ پن کے ساتھ ٹانگ اڑا دیں۔ خود ہمارے سامنے کشمیر کی مثال موجود ہے۔

پاکستان کی سیاست کا جائزہ لیتے وقت مسئلہ کشمیر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ پاکستان۔ بھارت نے اہل کشمیر کا حق خوداختیاری غصب کر رکھا ہے۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں سے لے کر معاہدہ تاشقند تک کے واقعات شاہد ہیں کہ مسئلہ کشمیر صرف عوامی جدوجہد ہی سے حل ہوگا۔ اور اس جدوجہد میں اہل کشمیر ہی کو پہل کرنی پڑے گی۔ آزادی ناقابل تجارت ہے اس لئے درآمد و برآمد کا سوال ہی

> **یہ خیال کرنا کہ مشرقی پاکستان کا سرمایہ دار طبقہ عوام دوستی کردار ادا کرسکتا تھا غلط اور حقیقت کے منافی ہے۔ کیونکہ جو سرمایہ دار طبقہ اپنی پیدائش ہی سے سامراجی طاقتوں کا مرہون منت ہو وہ کبھی عوام دوستی کردار ادا نہیں کرسکتا۔**



بارے یہ
کے ذریعہ خطیر رقم ہو
یہ بات مشہور ہوئی اور اسی
حزب اختلاف کے اراکین نے تجویز پیش کی
ہونی چاہیے لیکن (جبکہ بعض اخبارات کہتے ہیں۔) یہ
اثر و رسوخ سے کام لے کر اس تجویز کو دبا دیا۔ ابھی وہ
کہ اطلاع آئی کہ چار امریکی فوجیوں کو بائیں بازو کے انتہا پسندوں
نے اغواء کرلیا۔

اس اطلاع کے بعد حالات اس تیزی سے بدلنے لگے کہ آخر کار
سلیمان دیمرل کو مستعفی ہونا ہی پڑا۔

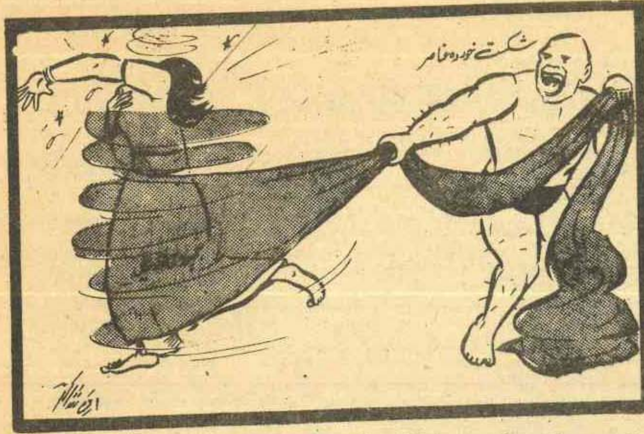
سابق وزیراعظم ترکی ۱۹۶۵ء میں برسر اقتدار آئے تھے۔ آپ انجینئر ہیں اور آئزن
اور اسکالرشپ پر اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جاچکے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں جناب
دیمرل کو دوبارہ منتخب کیا گیا تھا۔ لیکن فوراً ہی بعد آپ اپنی مقبولیت کھونے لگے۔

پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں جب اہلِ کشمیر خود پامردی سے جنگ آزادی کا باقاعدہ آغاز کریں گے تو پاکستان کے استحصالی طبقوں سے قطع نظر پاکستان کے محنت کش عوام از خود اس جنگ میں ہر ممکن کمک پہنچانے کا مقدس فریضہ انجام دیں گے۔

یہاں پر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر جو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ مستقبل میں پاکستان اور بھارت کے عوام کو باہم لڑانے اور قومی سطح پر ابھرنے والے پیچیدہ مسائل سے ان کی توجہ ہٹانے کے کام آتا رہے، آج اس منفی حربے کے علاوہ ایک مثبت عامل کے طور پر بھی سامنے آ رہا ہے۔ اس کا یہ پہلو بھارت کے توسیع پسند ریاست کا چولا پہن لینے کی بدولت پیدا اور نمایاں ہوا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں چین اور ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی اشتعال انگیز فوج کشی اسی تبدیلی کی مظہر ہے۔ اس لحاظ سے مسئلہ کشمیر چھوٹے بڑے سامراجی اور سوشل سامراجی چوروں کے جھوٹ اور دوغلے پن کو پکڑنے کا ایک اچھا ذریعہ بن گیا ہے۔ پھر چین کے اصولی موقف کی وجہ سے امریکہ، روس اور بھارت کا غیر اصولی موقف اور زیادہ ننگا ہو گیا ہے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی تضادات کی وجہ سے یہ مسئلہ سامراجیوں، سوشل سامراجیوں اور بھارتی توسیع پسندوں کے پاکستان دشمن اور چین دشمن گٹھ جوڑ کی تکمیل میں رکاوٹ بن گیا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں مندرجہ ذیل صورتحال پر غور کیا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جائیگی۔

پاکستان میں بنگالی، پنجابی، پٹھان، سندھی اور بلوچ پانچ بڑی قومیں آباد ہیں۔ ان میں مشرقی پاکستان میں آباد بنگالی قوم سب سے زیادہ بڑی اور منظم قوم ہے۔ مگر امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج، کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں اور بڑے جاگیرداروں کے مسلط کردہ موجودہ نیم نوآبادیاتی نظام اور اس کے ظالمانہ استحصال کی وجہ سے پاکستان کی دوسری قومیتوں کے محنت کش عوام کی طرح بنگالی قوم کے محنت کش بھی معاشی، سیاسی اور ثقافتی طور پر جبری لوٹ کھسوٹ کا شکار رہے ہیں۔ نوکر شاہی اور فوج میں اس کی نمائندگی نسبتاً کم ہے۔ پاکستان کے استحصالی طبقوں کو برطانوی سامراج سے جو نیم نوآبادیاتی انتظامی ڈھانچہ ورثے میں ملا تھا اس میں مہاجروں اور پنجاب سے بھرتی شدہ افراد کی اکثریت تھی۔ پاکستانی عوام پر مسلط موجودہ نیم نوآبادیاتی نظام کے خالقوں اور ان کے وفادار خادموں کے ساتھ ساتھ دوسری چھوٹی اور بڑی قومیتوں کے سرمایہ دار، جاگیردار اور نوکر شاہی کے نمائندے گماشتوں کے طور پر پاکستان بھر کے عوام کے استحصال میں شریک رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ اور اپنی طبقاتی اصلیت میں استحصالی ہونے کی وجہ سے یہ چھوٹی بڑی قومیتوں کے سرمایہ دار اور جاگیردار اپنے حصے میں آنے والی لوٹ کو مزید بڑھانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے موقع تلاش کرتے رہتے ہیں اور ہنگامے برپا کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان ہنگاموں میں شریک اپنی اپنی قومیتوں کے کچلے ہوئے محنت کش طبقوں کے مجاہدانہ کردار سے خائف رہتے ہیں۔ چنانچہ انہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ استحصالی اپنے ان ہنگاموں کی بنیاد علیحدگی پسند جارحانہ قوم پرستی، صوبائی تعصب اور لسانی نفرت پر رکھتے ہیں کہ کہیں ان ہنگاموں میں شریک محنت



کشی ان ہنگاموں کے عوام دشمن کردار کو عوامی جمہوری جدوجہد میں تبدیل کر کے خود ان کے آقاؤں کے گورکن نہ بن جائیں۔

یہ بات بہت واضح ہے کہ ان ہنگاموں میں محنت کش طبقے اور عوام کی شرکت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی قوم کے استحصالی طبقے کی علیحدگی کی تحریک کی حمایت کریں اور اپنی قوم کی علیحدگی کا پرچار شروع کر دیں۔ اس کے لئے مہم چلائیں یا مورچہ لگائیں۔ کیونکہ کسی بڑی ریاست سے کسی چھوٹی یا بڑی قوم کی علیحدگی کا مسئلہ ایسا معاملہ ہے جس میں سامراجی آجکل گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ ہر قوم کا استحصالی طبقہ اس کے مسائل حل کرنے سے عاری ہوتا ہے اور اکثر عوامی جدوجہد کی بڑھتی ہوئی لہر سے گھبرا کر سامراجی پناہ میں چلا جاتا ہے۔

اس مرحلے پر ضروری ہے کہ موجودہ حالات میں پاکستان کے سیاسی بحران اور اس کے پس منظر سے ابھرنے والی مشرقی پاکستان میں موجودہ ہنگامہ بازی اور اس کے کردار کو سمجھنے کے لئے کالعدم عوامی لیگ کی نظریاتی اساس چھ نکاتی پروگرام کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔

چھ نکاتی پروگرام یہ تھا!

۱- پاکستان حکومت کا طرز وفاقی پارلیمانی ہوگا، جس میں وفاقی مجلس قانون ساز اور وفاق بنانے والی ریاستوں کی مجلس قانون ساز کے انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے، وفاقی مجلس قانون ساز میں نمائندگی آبادی کی بنیاد پر ہوگی۔

۲- وفاقی حکومت صرف دفاع اور محکمۂ خارجہ کی ذمہ دار ہوگی اور (نکتہ ۳) کی صورت میں کرنسی کی ذمہ داری بھی وفاق کو سونپی جا سکتی ہے۔

۳- دونوں صوبوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کرنسیاں ہونگی جو آسانی سے ایک دوسری سے تبدیل کی جا سکیں۔ متبادل صورت میں کرنسی ایک ہی ہو بشرطیکہ ایک ایسا وفاقی ریزرو نظام قائم کیا جائے جس میں علاقائی وفاقی بنک قائم کئے جائیں جو ایسے اقدامات کریں جن کے سبب سے وسائل یا سرمایہ کو ملک کے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جانے سے روکا جا سکے۔

۴- مالیاتی پالیسی اور ٹیکس لگانے کا حق وفاق بنانے والی ریاستوں کو ہوگا، ریاستیں جو ٹیکس وصول کریں گی اُن سے وفاق چلانے کے اخراجات کیلئے مرکز کو ایک خاص تناسب سے رقم ادا کریں گی تاکہ دفاع اور محکمہ خارجہ کے اخراجات پورے ہوں، اس کے لئے طریقۂ کار اور تناسب کا تعین دستور میں کیا جائے گا۔ اس طرح اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ وفاقی حکومت کے اخراجات مسلسل پورے ہوتے رہیں گے اور یہ مقصد بھی پورا ہو جائے گا کہ ٹیکس لگانے کی پالیسی وفاق بنانے والی ریاستوں کی حکومتوں کے اختیار میں ہوگی۔

۵- دستور میں اس کا اہتمام کیا جائے گا کہ وفاق بنانے والی ریاستیں جس قدر زرمبادلہ کمائیں اس کے علیحدہ علیحدہ حسابات رکھے جائیں، وفاقی حکومت

کالعدم عوامی لیگ کا چھ نکاتی پروگرام سی آئی اے کا ٹائم بم تھا جسے استعمال کرنے کیلئے اس نے مشرقی پاکستان میں پھیلی ہوئی اس معاشی، سیاسی اور ثقافتی بے اطمینانی کی فضا کو انتہائی سازگار پایا جو بے دریغ جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ استحصال نیز کھلم کھلا نوکر شاہی کے خلاف مشرقی پاکستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔

لے زرمبادلہ کی ضروریات ریاستوں کی طرف سے مساوی طور پر یا طے شدہ تناسب سے پوری کی جائیں گی - اور اس کے طریقۂ کار اور تناسب کا تعین دستور میں کیا جائے گا۔ وفاق بنانے والی ریاستوں کی حکومتوں کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ وفاقی حکومت کی بنائی ہوئی خارجہ پالیسی کی حدود میں رہتے ہوئے دستور میں دیئے گئے اختیارات کے مطابق بیرونی ملکوں سے لین دین، امداد اور تجارتی معاہدے کر سکیں -

۶- وفاق بنانے والی ریاستوں کو دستور کی رو سے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ قومی تحفظ کو مؤثر بنانے کیلئے ملیشیا فوج بنائیں -

چھ نکاتی پروگرام کالعدم عوامی لیگ کا "میگنا کارٹا" تھا - یہ انتہائی منظم اور منفی سوچ کا آئینہ دار تھا۔ اس پر عمل در آمد کے بڑے دور رس نتائج نکلتے - ملک میں عام انتخابات کے بعد کالعدم عوامی لیگ اپنے چھ نکاتی پروگرام میں قومی اسمبلی کی پچاس فیصد سے زیادہ اور صوبائی اسمبلی کی تقریباً تمام سیٹیں جیت کر مشرقی پاکستان اور مرکز میں حکومت بنانے کی پوزیشن حاصل کر چکی تھی۔ آئین سازی پر بھی اسے اپنی اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی - اپنے سارے منصوبوں میں اس نے چھ نکاتی پروگرام کو بنیادی حیثیت دے رکھی تھی - جن میں کوئی نکتہ بھی ایسا نہ تھا جو مظلوم طبقوں کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی مفادات کا ضامن ہوتا - یہ چھ کے چھ نکات باہم مربوط و منسلک تھے - بیرونی امداد اور بیرونی تجارت کا پانچواں نکتہ ہر لحاظ سے کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ کیونکہ بیرونی امداد اور بیرونی تجارت کا حق اگر کسی ملک کا وفاق بنانے والی مختلف ریاستوں کو دیا جائے تو ایسا وفاق اپنے طور پر نہ تو مضبوط ہو سکتا ہے اور نہ ہی مؤثر ہو سکتا ہے۔ اس قسم کا وفاق انتہائی کمزور ہوتا - ایسے وفاق کو نہ تو خارجہ پالیسی بنانے کا اختیار ہوتا اور نہ ہی یہ دفاعی پالیسیاں مرتب کرنے کا اہل ہوتا - اور اس قسم کا وفاق اگر کسی طرح کوئی خارجہ پالیسی اور دفاعی پالیسی بنا بھی لیتا تو عملی طور پر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا - معیشت سیاست کی بنیاد ہوا کرتی ہے - بیرونی امداد اور بیرونی تجارت کے مفادات کے تحت ہی خارجہ پالیسی مرتب کی جاتی ہے - جب تمام صوبوں کی حکومتیں استحصالی طبقوں کی نگہبان ہوتیں تو لامحالہ یہ سارے استحصالی طبقے اپنے اپنے صوبوں میں اپنے محدود مفادات کا تحفظ کرتے اور بین الاقوامی سطح پر جو بھی بڑی سے بڑی بولی دیتا اسی کے سامنے ناک رگڑتے -

اگر چھ نکاتی پروگرام کے تحت مرکزی اور صوبائی حکومتیں بن جاتیں تو اس پس منظر میں مشرقی پاکستان بھارت سے، بلوچستان اور سرحد افغانستان سے اور یہ صوبے بھارت اور افغانستان کے توسط سے روس اور امریکہ سے اپنا اپنا معاشی اور پھر سیاسی رشتہ جوڑتے - سرحدوں کے لحاظ سے تو اس وقت یہی صورت بنتی پھر روس اور امریکہ اپنے اپنے مفادات کیلئے بھارت سے بھاؤ تاؤ کرتے —— بعد میں امریکی سامراجیوں روسی سوشل سامراجیوں اور بھارتی



مجیب الرحمن ہماری جنگ لڑ رہے ہیں
—— اندرا گاندھی

امداد والے پانچویں نکتے کی تعمیل و تکمیل کے بعد چشم زدن میں سر کے بل آپڑتا اور عوام دشمن سامراجی طاقتیں ایک ایک کر کے معاشی، سیاسی، ثقافتی اور فوجی لحاظ سے کمزور ان صوبوں کو ہڑپ کر لیتیں یا انھیں دبا کر رکھتیں۔ ان حالات میں مشترکہ دفاعی اور خارجہ پالیسیاں دیوانے کا خواب بن کر رہ جاتیں -

مشترکہ دفاعی اور خارجہ پالیسیوں کی اس بحث کو مجرد اور مطلق انداز میں نہیں لینا چاہیئے - بلکہ یہ بحث اضافی اور متحرک کردار کی حامل ہونی چاہیئے - قومی اور بین الاقوامی حالات، جغرافیائی محل وقوع وحدود اربعہ اور کسی بھی ملک کے عوام کی اپنی تنظیمی اور سیاسی بصیرت کے پس منظر میں مشترکہ دفاعی اور خارجہ پالیسیوں کی اس بحث کا اطلاق مختلف شکلوں اور مختلف موقعوں پر مختلف ہو گا -

اگر کالعدم عوامی لیگ اپنے چھ نکاتی پروگرام کے عین مطابق پاکستان کی مرکزی اور مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومتیں بنا لیتی، تو معاہدۂ تاشقند پورے طور پر نافذ ہو جاتا۔ برصغیر پاک و ہند پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کی بالادستی قائم ہو جاتی - بھارتی توسیع پسندوں کا اکھنڈ بھارت کا خواب پورا ہو جاتا - اور صرف اس علاقے یعنی برصغیر پاک و ہند ہی میں ایک مضبوط عوام دشمن محاذ قائم نہ ہو جاتا بلکہ ویتنام، کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ، برما، مشرقی پاکستان، بھارت، مغربی پاکستان، افغانستان، ایران، اور مشرق وسطیٰ تک امریکی، روسی فوجی حکمت عملی کے بھرپور نفاذ کے لئے سارا میدان صاف ہو جاتا -

باقی پانچوں نکتے اسی ایک مرکزی نکتے کی بازگشت تھے - اس ایک نکتے کی غیر موجودگی میں باقی پانچوں نکتے اپنے مرکز گریز رجحانات اور منفی اثرات سے محروم ہو جاتے اور تھوڑے بہت انتظامی ردّ و بدل کے بعد متحدہ پاکستان کے تمام حامیوں کے لئے قابلِ قبول ہوتے —— ورنہ اپنی مجموعی شکل میں یہ چھ کے چھ نکتے قومی مفادات اور جمہوریت

اگر کالعدم عوامی لیگ اپنے چھ نکاتی پروگرام کے عین مطابق پاکستان کی مرکزی اور مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومتیں بنا لیتی تو معاہدۂ تاشقند پورے طور پر نافذ ہو جاتا - برصغیر پاک و ہند پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کی بالادستی قائم ہو جاتی - بھارتی توسیع پسندوں کا اکھنڈ بھارت کا خواب پورا ہو جاتا اور صرف اسی علاقے یعنی برصغیر پاک و ہند ہی میں ایک مضبوط عوام دشمن محاذ قائم نہ ہو جاتا بلکہ ویتنام، کمبوڈیا، لاؤس - تھائی لینڈ، برما، مشرقی پاکستان، بھارت، مغربی پاکستان - افغانستان - ایران اور مشرق وسطیٰ تک امریکی، روسی فوجی حکمت عملی کے بھرپور نفاذ کیلئے سارا میدان صاف ہو جاتا -

توسیع پسندوں کا پاکستان دشمن گٹھ جوڑ حرکت میں آتا اور متحدہ پاکستان جو اس مدنام زمانہ گٹھ جوڑ کے سامنے اطاعت پسندی اختیار کرنے سے بچا ہوا ہے اور معاہدۂ تاشقند کے باوجود اپنی موجودہ خود مختاری کا بھرم قائم کئے ہوئے ہے - بیرونی تجارت اور بیرونی

کی دہائی دے کر پاکستان کو قطعی طور پر توڑ پھوڑ کر ختم کرنے کے سوا اور کسی مقصد کے آئینہ دار نہیں تھے -

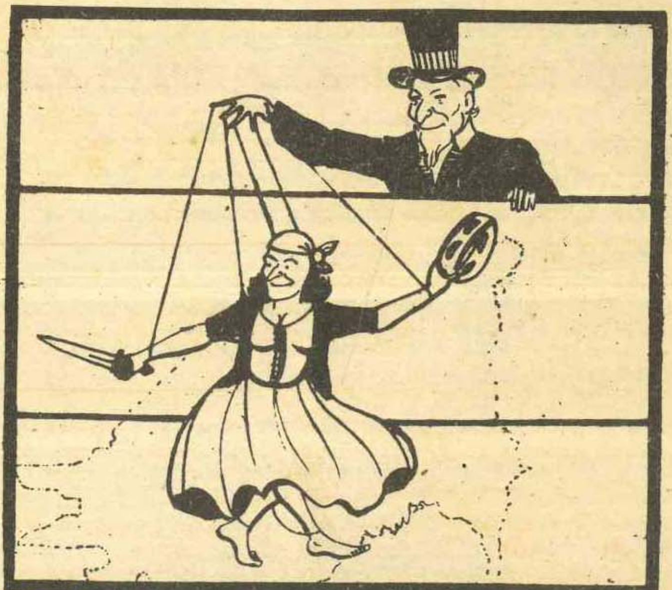
چھ نکات کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی تھی کہ پاکستان موجودہ شکل میں

بھی بڑی حد تک امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کے اثر میں ہے۔ اور یہ قوتیں اس وقت مرکزی حکومت کے توسط سے اپنے سامراجی اثرات مسلط کئے ہوئے ہیں۔ اگر چھ نکات کے نفاذ کے بعد یہ حکومتیں پاکستان کے مختلف صوبوں کے توسط سے اپنے موجودہ یا مزید سامراجی اثرات مسلط کر لیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا؟ یہ دلیل انتہائی بودی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ چھ نکات ملک گیر سطح پر عوامی جمہوری جدوجہد کو کمزور کرنے کے لئے قومی منافرت کی راہ ہموار کرتے۔ دوسری بات یہ کہ قومی سطحوں پر طبقاتی گٹھ جوڑ اور مفاہمت کی فضا پیدا کر کے عوامی جمہوری کشمکش اور تضاد کی شدت اور گہرائی کو کم کرتے۔ تیسری بات یہ کہ کمزور صوبوں کی تشکیل بیرونی سامراجی طاقتوں کی معاشی، سیاسی، ثقافتی اور فوجی مداخلت کے خلاف مزاحمتی تحریک اور رجحانات کو ختم کر کے رکھ دیتے اور امریکی سامراج

> ہر قوم کا استحصالی طبقہ اس کے مسائل حل کرنے سے عاری ہوتا ہے اور اکثر عوامی جدوجہد کی چڑھتی ہوئی لہر سے گھبرا کر سامراجی پناہ میں چلا جاتا ہے۔

روسی سوشل سامراج، اور بھارتی توسیع پسندوں کو پاکستان کی مقدس سرزمین پر دندناتے کی کھلی چھوٹ دے کر موجودہ سامراج دشمن عوامی جذبات اور احساسات کو سرد اور ختم کر ڈالتے۔ اس طرح یہ نکات سراسر عوام دشمن مفادات اور سامراجی عزائم کی تکمیل کر کے مظلوم طبقات اور محنت کش عوام کے مفادات کی نفی کرتے۔

چھ نکات کے حق میں ایک اور دلیل دی جاتی تھی۔ اس دلیل کو اگر ریت میں سر دے کر چھپ جانے کی خوش فہمی میں مبتلا رہنے کی دلیل کہا جائے تو زیادہ صحیح ہو گا۔ یہ دلیل یوں تھی کہ بیرونی امداد اور بیرونی تجارت کا شعبہ مرکز کے پاس رہے یا صوبوں کے پاس دونوں صورتوں میں بات ایک ہی ہے کیونکہ اس وقت پاکستانی معیشت بحیثیت مجموعی سامراجیوں ہی سے منسلک ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس دلیل کو اور مضبوط کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں۔



مشرقی پاکستان کے واقعات کو پاکستان کا داخلی معاملہ نہیں سمجھا جا سکتا (امریکی سفیر متعینہ دہلی)

بجٹ ۷۰-۱۹۶۹ء

بیرونی قرضے اور گرانٹ	دو ارب ستر کروڑ روپے
ریوینیو	ایک ارب اکیاسی کروڑ روپے
قرضوں کی وصولیابی	پچاس کروڑ روپے۔
مقامی قرضوں سے حاصل شدہ رقم	پچاس کروڑ روپے۔
کل اخراجات	چھ ارب آٹھ کروڑ روپے۔

تیسرا پلان

سرکاری شعبے کا حصہ	تیس (۳۰) ارب روپے۔
نجی شعبے کا حصہ	بائیس (۲۲) ارب روپے۔
کل رقم	باون ارب روپے۔
سرکاری شعبہ میں بیرونی امداد	پینتالیس (۴۵) فیصد۔
پورے پلان میں بیرونی امداد	بتیس (۳۲) فیصد۔

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ پاکستان کی مجموعی معیشت اس وقت سامراجیوں سے منسلک ہے اور پاکستان کی سیاست پر ان کی گہری چھاپ ہے۔ مگر اس وقت پاکستان اور سامراجیوں کے رشتوں میں فرق آگیا ہے۔ اس ضمن میں پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع اور بھارتی توسیع پسندوں سے اس کے معاشی، سیاسی اور ثقافتی تضادات کے شدید عوامل اپنا مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہاں نکتہ یہی ہے کہ ان اعداد و شمار کے باوجود پاکستان اس وقت سامراجیوں کی عالمی حکمت عملی میں فٹ نہیں ہو رہا ہے۔ سامراجیوں کا مقصد اسے کمزور صوبوں میں بانٹ بانٹ کر اس قدر ادھ موا کر دینا ہے کہ وہ بلا چوں و چرا سامراجیوں کے حکم کے آگے گھٹنے ٹیک دے۔ بیرونی امداد اور تجارت کو صوبوں کی تحویل میں دے دینے سے امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے یہ تمام مقاصد پلک جھپکتے ہی پورے ہو جائیں گے۔

جہاں تک استحصالی طبقوں کا تعلق ہے وہ کالعدم عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سلسلے میں غیر جانبدار نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے مجیب کا ساتھ دے کر سی۔ آئی۔ اے کی سازش — چھ نکاتی پروگرام — کی تکمیل میں ایک فریق کا کردار انجام دیا۔ انہوں نے مجیب کی دکانداری چمکانے میں خاصہ اہم کردار ادا کیا۔ دوسرے یحییٰ خان صدارتی کابینہ میں شیر علی، اے، ایم مالک، قزلباش اور محمود ہارون جیسے کھلے سی۔ آئی۔ اے کے ایجنٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب استحصالیوں کی اس کھلی حمایت اور تائید نے کالعدم عوامی لیگ کی بائیں کمان کی انتہا پسندی کو بہت تقویت پہنچائی اور اس نے اپنی متوازی حکومت قائم کر لی، احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے، بینکوں کو اپنے کنٹرول میں لے لیا، نوکر شاہی کی طرف سے ان اقدامات کی حوصلہ افزائی نے ان کے رویے میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی اور ۲۳ مارچ کو پاکستان کے قومی پرچم کو جلا کر وہ پرچم لہرا دیئے گئے جن پر صرف بنگلہ دیش کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بہترین مقرروں کو نظر بند کر کے اور لمبی لمبی سزائیں دے کر اس کی انتخابی مہم میں رخنہ اندازی کی گئی اور اسے کمزور کرنے کی سازشیں کی گئیں۔ کالعدم عوامی لیگ کے جنرل سکریٹری قمر الزماں نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

> "مسلح افواج میں اکثریتی صوبے کو بمشکل تمام دس فیصد اور مرکزی نوکر شاہی میں محض پندرہ فیصد نمائندگی دی گئی ہے۔"

یہ شکوہ صحیح ہے مگر اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ سارا جھگڑا موجودہ ریاستی ڈھانچے میں آبادی کے لحاظ سے اپنا حصہ لینے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ موجودہ معاشی ڈھانچے میں مظلوم طبقوں کے مفادات کے مطابق بنیادی تبدیلیاں کرنا۔ اس ظالمانہ ڈھانچے

کو یکسر مسترد کر کے منہدم کرنا ان کا مقصد نہیں تھا۔ لہٰذا مشرقی پاکستان کے عوام کو بنگالی قومیت کے نعرے پر اکسا اور گھما کر یہ استحصالی عناصر اپنے طبقاتی مفادات ہی پر سودے بازی کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ یہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ نوکر شاہی، چھ نکات کو مرتب کرنے اور اس کی بنیاد پر مجیب کی سیاسی حیثیت بنانے میں نمایاں ترین کردار ادا کرتی رہی ہے۔ نوکر شاہی بنیادی طور پر عوام دشمن ہوا کرتی ہے اور کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داری کا روپ دھارنے کے لئے اتنی بے چین ہوا کرتی ہے کہ بیرونی سامراجیوں کے ہاتھوں قومی اور ملکی مفادات کا سودا کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتی۔

یہ خیال کرنا کہ مشرقی پاکستان کا سرمایہ دار طبقہ عوام دوست کردار ادا کر سکتا تھا۔ غلط اور حقیقت کے منافی ہے۔ کیونکہ کمپرمایہ دار طبقہ اپنی پیدائش ہی سے سامراجی طاقتوں کا مرہونِ منت ہو وہ کبھی عوام دوست کردار ادا نہیں کر سکتا۔ مشرقی پاکستان کے سرمایہ دار طبقے اور اس کی پارٹی کالعدم عوامی لیگ کو کسی مثبت کردار کا حامل اس لئے تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے طبقاتی مفادات کو چور دروازے سے پورا کرنے کے لئے اس کے رشتے ناطے پاکستان کے کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں بڑے جاگیرداروں اور ان کی سیاسی پارٹیوں سے کھلے طور پر جڑے ہوئے تھے اور وہ امریکی سامراج روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے سائے میں برسر اقتدار آنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان سامراجیوں اور توسیع پسندوں کا کردار قوم، عوام اور محنت کشوں سب کے اجتماعی مفادات کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چھ نکات کو مشرقی پاکستان کے سرمایہ دار طبقے کی مثبت سوچ اور عمل کا پروگرام نہیں گردانا جا سکتا۔ اگر مجموعی طور پر عوامی جمہوری نکتہ نظر سے ان چھ نکات کا تجزیہ کیا جائے تو انکی تمام ظاہر اخوش الحانی سرمایہ دارانہ بے سُری آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ خیال حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ صرف مشرقی پاکستان کے سرمایہ دار طبقے کی جماعت تھی اور پاکستان کے کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں، بڑے جاگیرداروں، امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں سے اس کا وہ تعلق نہیں تھا جو ان طبقوں اور قوتوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اور یہ خیال بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے مفلوک الحال عوام کی نمائندگی اور ترجمانی کے فرائض انجام دیتی تھی۔

بین الاقوامی سطح پر مجیب کی بھارت نوازی اور سامراجی دلالی کا ثبوت سارے سامراجی پریس سے ملتا ہے۔ نکسن نے پاکستان کے آئینی بحران کے زمانے میں ہی جس ڈھیٹ پن کے ساتھ اپنا بدنام زمانہ سیاسی بیان دے کر مشرقی پاکستان میں اپنے مفادات کی حفاظت کا اعلان کیا اور مجیب نے جس بدتمیزی سے امریکی سفیر سے پینتالیس منٹ کی خفیہ ملاقات کی وہ مزید کسی تبصرے کی



ہمارے اخبارات آزاد ہیں ——— بھارتی حکومت

محتاج نہیں ہے۔ پھر مغربی جرمنی، جاپان اور اقوام متحدہ کے ماہرین کا مشرقی پاکستان چھوڑ کر جانا مگر امریکی باشندوں کا وہاں پر بدستور قیام کرنا خود اس لحاظ سے معنی خیز ہے کہ اگر صورتحال بگڑے تو جھٹ سے ان باشندوں کی حفاظت کے بہانے امریکی فوجی مداخلت کا جواز پیدا کر لیا جائے۔ فورڈ فاؤنڈیشن اور دیگر امدادی پروگراموں کے تحت آئے ہوئے عملے کی تعداد میں یک لخت تین گنا اضافہ ہو جانا موجودہ گرما گرم سیاسی فضا کے پس منظر میں بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اسی زمانے میں مغربی بنگال میں امریکی نائب وزیر دفاع ولیسٹ مورلینڈ کی موجودگی بھی خالی از علت نہیں تھی۔ نام نہاد معتبر ذرائع سے یہ افواہ گشت کرانا کہ مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں امریکہ نواز آٹھ ممالک مشرقی پاکستان کو اصل پاکستان کی حیثیت سے تسلیم کر لیں گے۔ نیز یہ مشہور کرانا کہ اقوامِ متحدہ اور دولت مشترکہ میں مشرقی پاکستان کی حیثیت بڑے اسلامی ملک جیسی ہوگی سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاسی، معاشی ثقافتی اور مذہبی ٹھیکیداروں پر مجیب کی شرطیں ماننے اور سمجھوتہ کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔ آئی۔ ایم۔ ایف ٹیم کا انتخابات سے پہلے آنا اور روپے کی قیمت میں کمی کرنے کا مشورہ دینا اور مشورہ پر عملدرآمد نہ ہونے کی شکل میں کوئی فنڈ نہ مہیا کرنا اور امریکہ کا اپنی منظور کردہ امداد مہیا کرنے کی رفتار میں وقتی طور پر کمی کرنا بھی اسی دباؤ اور ترغیب کا ایک اہم حصہ تھیں۔ ہارون، اصفہانی اور اے۔ کے سومار جیسے بڑے سامراجی پٹھو سرمایہ داروں کا مجیب کے اشاروں پر ناچنا، پی۔ پی۔ آئی اور پی۔ پی۔ ایل کے سامراج نوازوں کا مجیب کے گرد چکر لگانا اور مغربی پاکستان کے

مشعل بردار

حکومت چین نے ایک اعلامیہ میں بیرونی طاقتوں اور بھارت پر پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کا الزام لگایا ہے

عام ڈھیٹ اور کٹر رجعت پسندوں، بِٹے ہوئے مغرب زدہ مہروں اور عوام کے ٹھکرائے ہوئے ٹکر گدوں کا مجیب کی ہاں میں ہاں ملانا پرانے ہی سامراجی کھیل کا ایک بھونڈا سین تھا۔

عوامی نکتہ نظر سے کالعدم عوامی لیگ کا چھ نکاتی پروگرام سی۔ آئی۔ اے کا ٹائم بم تھا جسے استعمال کرنے کے لئے اس نے مشرقی پاکستان میں پھیلی ہوئی اس معاشی سیاسی اور ثقافتی بے اطمینانی کی فضا کو انتہائی سازگار پایا جو بے دریغ جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ استحصالی نیز کٹھور نوکر شاہی کے خلاف مشرقی پاکستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ مشرقی پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر امریکی سامراج کی وہ تمام پس پردہ خدمات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں جو اس نے کالعدم عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام کی ترتیب، طباعت، اشاعت، تشہیر، اور مقبولیت کے لئے سرانجام دی تھیں۔ پھر روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے جو مشترکہ مفادات ہیں وہ بھی امریکی سامراج کے مفادات سے پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان سارے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لئے کالعدم عوامی لیگ نے سرمایہ دارانہ بنگلہ قوم

پرستی کے سراسر منفی رجحانات کے سہارے پھلنے پھولنے کے ہر ممکن موقع کو خوب اچھی طرح استعمال کیا۔ ۱۹۶۶ء سے لیکر اب تک عموماً اور ۱۹۷۰ء کی طویل ترین انتخابی مہم کی دربیانی مدت میں خصوصاً کالعدم عوامی لیگ نے پورے مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کا زہر گھول ڈالا۔ امریکی سامراج نے مشرقی پاکستان کو مغربی جرمنی کی طرح ایک "ماڈل" بنا کر پیش کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ بد نام زمانہ "لندن پلان" اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک اہم معاہدہ تھا۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر تمام سامراجی گماشتے پاکستان کو نئے سرے سے زیر اقتدار لانے کے لئے مکروہ گٹھ جوڑ کر کے انتخابی مہم میں کود پڑے تھے۔ اور مشرقی پاکستان میں اس سامراجی سازش کے تحت ہی کالعدم عوامی لیگ نے اہم ترین حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہاں یہ ذہن میں رہے کہ مشرقی پاکستان میں بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والی اصلاح پسند پارٹیوں نے انتخابات کا جو بائیکاٹ کیا تھا اس سے کالعدم عوامی لیگ کو کھلی چھوٹ مل گئی تھی۔ اس قسم کے منفی بائیکاٹ کے لئے حالات سازگار کرنے میں مجیب نواز بھیم جی اور اصفہانی وغیرہ نے بھی اپنی "روشن خیالی" کے پتے خوب اچھی طرح سے استعمال کئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بائیکاٹ مجیب کے حق میں سو فیصد مثبت نکلا۔

انتخابات کے بعد حالات نے جو کروٹ لی۔ اس میں علیحدگی پسندی کے پرانے رجحان اور منصوبے نے بھی نئی کروٹ لی پہلے یہ سازش تھی کہ "سارا جاتا دیکھیو تو آدھا لیجیو بانٹ" انتخابات کے بعد یہ سازش ہوئی کہ "سارا ملے تو کیوں نہ لیں" — لہٰذا پرانی سازش کی نئی شکل کے تحت مغربی پاکستان کے وہ تمام پٹے ہوئے مہرے سامراجیوں کے اشارے پر مجیب نوازی کا شور شرابا مچانے لگے جو انتخابی مہم کے دوران اور اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے کے چکر میں مجیب دشمنی اور چھ نکات کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ وہ ان کا ظاہری اور انتخابی روپ تھا۔ حالانکہ اصلیت میں یہ بھی مجیب کے آقاؤں کے نوکر ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مفتی محمود کی شہ پر قیوم لیگ کے علاوہ مغربی پاکستان کے تمام عوام دشمن اقلیتی پارلیمانی گروپوں نے مشترکہ طور پر "لندن پلان" کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بھاگ دوڑ شروع کر دی تھی۔ مگر مغربی پاکستان میں سب کی توقعات



کے بائیکاٹ نے پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اگر مجیب اور پاکستان کے استحصالی طبقوں کی یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو ملک میں ایک ننگی عوام دشمن حکومت کا قیام لازمی تھا۔ ساتھ ہی ساتھ سامراجی محاذ کا مشرق سے لیکر مغرب تک موثر انداز میں مکمل ہونا بھی یقینی تھا۔ سی آئی اے کی اس عوام دشمن سازش کی ناکامی میں چینی وزیر اعظم جناب چو این لائی کا ۲۳ مارچ والا بیان بھی پوری پوری اہمیت کا حامل ہے جین نے یورپ میں البانیہ، افریقہ میں تنزانیہ اور ایشیا میں پاکستان کو اپنی عالمی سیاست میں دوستی اور امداد کے لحاظ سے ایک مخصوص اور امتیازی درجہ دے رکھا ہے۔ جو بلاشبہ تمام استحصالیوں کے عالمی سامراجی اور نوآبادیاتی مفادات پر کاری وار کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ملکی انتخابات میں کھٹور رجعت پرست سیاست کے پٹ جانے اور عوامی مسائل کے حل کا نعرہ لگانے والی اصلاح پسند سیاست کی زبردست کامیابی کے بعد چھ نکات کی تکمیل کے لئے شروع کئے جانے والے ہنگامے بنگلہ قوم پرستی کے چولے میں پاکستان کے محنت کش عوام کے خلاف امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج، بھارتی توسیع پسندوں، کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں، بڑے جاگیرداروں اور تمام قومیتوں کے استحصالی طبقوں کی بھیانک سازش بن گئے تھے۔ ان کی بنیاد نفرت پر قائم تھی۔ غیر بنگالی افراد کا عام قتل اس امر کا کھلا ثبوت ہے۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے ان نفرت انگیز واقعات

صدارتی کابینہ میں شیر علی، اے ایم مالک، قزلباش اور محمود ہارون جیسے کھلے سی آئی اے کے ایجنٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب استحصالیوں کی اس کھلی حمایت اور تائید نے کالعدم عوامی لیگ کی ہائی کمان کی انتہا پسندی کو بہت تقویت پہنچائی اور اس نے اپنی متوازی حکومت قائم کر لی

کے خلاف پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی سامراجیوں کے کباب میں ہڈی بن گئی۔ کیونکہ بھٹو صاحب نے سامراجیوں کی یہ چال پہلے ہی سمجھ لی تھی کہ اسمبلی کا اجلاس بلا کر مجیب کی پارٹی پوزیشن کی بنیاد پر چھ نکاتی پروگرام کے مطابق ایک ایسے دستور پر منظوری کے انگوٹھے حاصل کر لئے جائیں جو نہ صرف مشرقی پاکستان بلکہ پورے پاکستان کو عالمی استحصالی قوتوں کی جھولی میں ڈال دے اور جنوبی ویتنام سے لے کر مشرق وسطیٰ تک پھیلی ہوئی اس عوام دشمن سامراجی زنجیر کو مکمل کر دے جو صرف پاکستان کی عدم شرکت کی وجہ سے نامکمل ہے۔ چنانچہ بھٹو صاحب نے اس اسمبلی کا بائیکاٹ کر کے حب الوطنی کا وہ مظاہرہ کیا جو امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور توسیع پسند بھارت کی مخالفت اور چین دوستی سے عبارت ہے۔

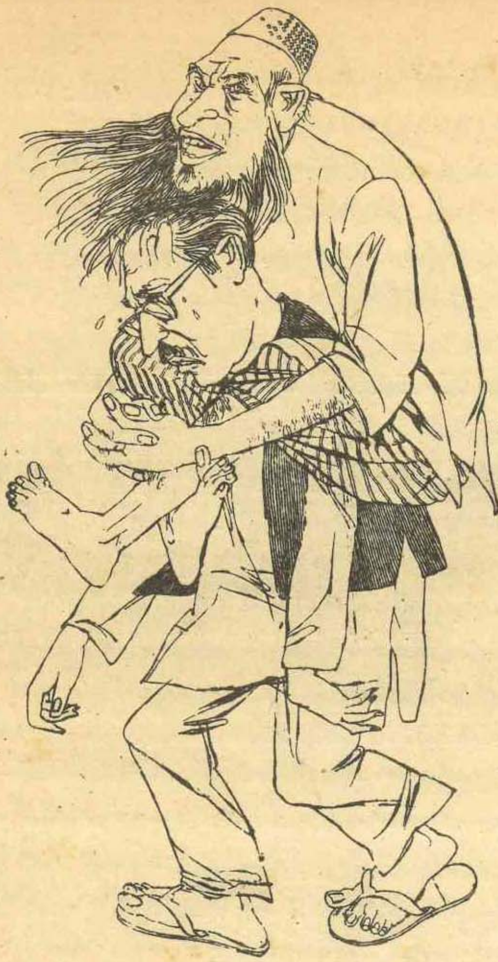
مجیب نے چھ نکات پر سختی سے ڈٹے رہنے کا ڈرامہ اپنی پوزیشن کو مزید بہتر بنانے کے لئے کھیلا تھا۔ کہ اس طرح سرمایہ دارانہ قوم پرستی کا بخار جتنا تیز ہوگا وہ اتنی ہی مقبولیت حاصل کرتا جائے گا اور مرکزی حیثیت حاصل کر کے متوقع سودے بازی میں حتی الامکان بالادستی رکھے گا۔ پاکستان بھر کے استحصالی طبقے اپنی لوٹ کھسوٹ کو جاری رکھنے کے چکر میں اس کے برابر کے شریک تھے۔ اور اسے شہ دے دے کر اپنی حمایت کا یقین اور چھ نکات پر سخت رویہ اختیار کرنے کے رجحان کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ لیکن بھٹو صاحب

کے بعد بھی اگر چھ نکات کے حامی ترمیم پسندوں، موقع پرستوں اور کٹر رجعت پرستوں کی یہ دلیل تسلیم کر لی جائے کہ چھ نکات کی تحریک صرف بنگالی سرمایہ داروں کی نہیں بنگالی عوام کی آزادی کی تحریک تھی، تو پھر اس غلط دلیل کا اعتراف بھی کرنا پڑے گا کہ عوامی طبقاتی نفرت اور عوامی جمہوری کشمکش کو تیز کرنے اور جدوجہد کی بنیاد بنانے کی بجائے قومی، نسلی اور لسانی و فرقہ وارانہ نفرت اور عصبیت کو بنیادی حیثیت دینا زیادہ اچھا اور سود مند ہوتا ہے۔ یہ نکتہ نظر جتنا غلط اور عوام دشمن ہے اتنا ہی اس موقف کا محرک بھی ہے کہ قومی سطح پر طبقاتی اور عوامی جدوجہد کے بجائے طبقاتی گٹھ جوڑ کو ہوا دینی چاہیئے۔ ان سب کو رد کرتے ہوئے صحیح موقف دراصل یہ ہے کہ ساری لڑائی اقتصادی لڑائی ہے — دونوں حصوں کے عوام ایک ہی طرح کی صورتحال سے دوچار ہیں — اگر سزا دینی ہے تو ان امریکی سامراجیوں، روسی سوشل سامراجیوں، کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں اور بڑے جاگیرداروں کو دینی چاہیئے جو ان حالات کو پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں — دونوں حصوں کے عوام میں سے کسی کو بھی یہ سزا کیوں ملے — دوسری بات یہ کہ اگر مختلف صوبوں اور قومیتوں کے مظلوم — ظالم طبقوں کے خلاف اجتماعی طور پر عوامی جمہوری جدوجہد کے بجائے الگ الگ اس انداز میں سوچنے لگیں

کہ "ہم سب ایک ہیں" تو اس "ایکے" کے پردے میں جاگیردار بھی چھپ جائیں گے، سرمایہ دار بھی چھپ جائیں گے اور نوکرشاہی کے اہلکار بھی چھپ جائیں گے۔ اور یہ عمل اور سوچ یقینی طور پر عوامی جمہوری جدوجہد سے غداری ہے —— یہ عوامی جمہوری جدوجہد کو قومی نفرتوں اور جھگڑوں میں بدل دینے کی مکروہ سازش ہے۔ اس سازش کی تکمیل کے لئے قومی زبان، قومی تہذیب اور قومی معیشت کی حفاظت اور ترقی کے بہلاوے بھی دیئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ زبان، تہذیب اور معیشت کی حفاظت اور ترقی اس وقت تک قطعی ناممکن ہے جب تک قومی اور ملکی دونوں سطحوں پر موجودہ ظالمانہ اور استحصالی معاشی، سیاسی اور ثقافتی نظام نہ بدل دیا جائے اور یہ تبدیلی بھی جزوی یا اصلاحی نہیں بلکہ مکمل اور انقلابی انداز میں ہونی چاہیئے۔ اس نظام کو بدلے بغیر جو لوگ قومی زبان، قومی تہذیب اور قومی معیشت کی حفاظت کی باتیں بناتے ہیں وہ عوام کو فریب دیتے ہیں۔ یہ ظالم طبقوں کے پٹھو ہیں —— اور ظالم طبقوں کے پٹھو نہ بنگالی ہیں، نہ پنجابی ہیں، نہ سندھی ہیں، نہ پٹھان ہیں، نہ بلوچ ہیں، اور نہ مہاجر ہیں۔ زبان، تہذیب اور معیشت کے خالق عوام اور صرف عوام ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہی ان کی حفاظت کریں گے۔ وہی انہیں ترقی دیں گے اور اپنے مسائل کے حل کیلئے بہر طور یہی عوامی جمہوری جدوجہد کر کے استحصال سے پاک نظام قائم کریں گے۔ اس تجزیے کے علاوہ کوئی اور تجزیہ کرنے والے "قومیت کی "مظلوم بھیڑوں" کی کھال میں چھپے ہوئے استحصالی طبقوں کے ظالم بھیڑیے ہیں"۔

موجودہ بحران میں ترمیم پسندوں اور آزاد بنگال کا نعرہ لگانے والوں کا کردار قطعی طور پر موقعہ پرستانہ تھا۔ یہ سب کے سب مجیب کی دُم میں بندھ کر رہ گئے تھے۔ ولی خان اور بھاشانی نے مجیب کی حالیہ تمام سرگرمیوں کی نہ صرف مکمل تائید کی تھی بلکہ وکالت اور ترجمانی کے فرائض بھی انجام دئے تھے اور کہیں پر بھی کسی قسم کا تنقیدی رویہ اختیار نہیں کیا تھا۔ نام نہاد بائیں بازو کے لوگوں کی طرح ڈھیٹ اور کٹر رجعت پسند دائیں بازو والے بھی اس وقت مجیب نوازی اور چھ نکات کی طرفداری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے۔ حالانکہ انتخابات سے پہلے اور انتخابات کے دوران یہ سارے کے سارے مجیب کو پانی پی پی کر کوس رہے تھے اور بار بار مجیب کی مار کھا رہے تھے۔ لیکن اب سارے اختلافات ختم کر دیئے گئے تھے۔ اور مجیب بھی اب ان کے سر پر دست شفقت پھیر رہا تھا۔ مغربی پاکستان کے تمام پٹے ہوئے مہرے مجیب کا تعاون حاصل کرنے کے لئے مجیب کے اشاروں پر دم ہلا رہے تھے۔ چنانچہ امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کے بدنام زمانہ گٹھ جوڑ کے سارے حامی جو پہلے ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ رہے تھے، یہ سارے گندے انڈے جو پہلے الگ الگ ٹوکروں میں رکھے ہوئے تھے سب ایک ہی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے عالمی عوام دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا —— یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں —— یہ سب عوام دشمن ہیں —— یہ سب بھارت نواز ہیں —— یہ سب امریکی سامراج کے دلال ہیں —— یہ سب روسی سوشل سامراج کے پٹھو ہیں —— یہ سب کشمیر کے مسئلے کو ختم کر دینے کے درپے ہیں —— عوامی جمہوری نقطۂ نظر سے یہ سب ظالموں کے ہمنوا اور مظلوموں کے دشمن ہیں۔

مغربی پاکستان، استحصال کرنے والے کمپرادار نوکرشاہی سرمایہ دار اور بڑے جاگیردار طبقوں کا گڑھ ہے۔ یہیں پر بعض علاقوں میں سرمایہ کاری کا عمل سب سے زیادہ فروغ پر ہے۔ یہیں پر سرکاری ڈھانچے اور نوکرشاہی کے زیادہ تر خرچے ہوتے ہیں —— پاکستان کے کمپرادار نوکرشاہی سرمایہ داروں، بڑے جاگیرداروں اور ان کے استحصالی نظام نے جس طرح مشرقی پاکستان کے عوام کو لوٹ لوٹ کر بدحال کر رکھا ہے اسی طرح مغربی پاکستان کے عوام کو بھی انہوں نے لوٹ لوٹ کر ادھ موا کر دیا ہے۔ ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء کے عظیم عوامی ابھار کی تہہ میں بھارت کے توسیع پسند جارحانہ حملے



۱۹۶۵ء کی قومی جنگ سے حکمرانوں کی غداری، معاہدۂ تاشقند اور بے دریغ جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ استحصال نیز کھٹور نوکرشاہی کے خلاف مغربی پاکستان کے عوام کے شدید ردِ عمل کا سراغ ملتا ہے۔ اور یہی ردِ عمل دراصل پاکستان پیپلز پارٹی اور بھٹو صاحب کی مقبولیت کی ایک وجہ ہے۔ انتخابات کے نتائج کے پیش نظر اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے صحیح حکمت عملی اپنا کر اتنی کم مدت میں دوسری پارٹیوں کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ اس نے بھارتی توسیع پسندی کی مذمت کی، آزادی کشمیر کی سرگرم حمایت کی، معاہدۂ تاشقند کی مخالفت کی، امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کی کھلی مذمت کی اور امریکہ، روس اور بھارت کے بدنام زمانہ گٹھ جوڑ کی عملداری میں پاکستان کو گھسیٹ لینے کی سازشوں کی بھرپور مزاحمت کی۔ یہ سب عوامل پاکستانی عوام کی تاریخ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سارے نکتے پاکستان پیپلز پارٹی کی خارجہ حکمت عملی کے بنیادی نکات ہیں —— داخلی پالیسیوں میں معاشی پروگرام اور دائیں بازو کی ڈھیٹ رجعت پسند اور کٹر عوام دشمن سیاسی پارٹیوں پر جرأتمندانہ حملے اور تنقید بھی نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ انتخابات میں نعرے بازی اور جذباتی لحاظ سے مغربی پاکستان میں جاگیردارانہ روایات کی جڑیں اکھڑ کر رہ گئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عوامی نکتۂ نظر سے آج بیشتر مقبول ترین نعروں اور پالیسیوں کو پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنایا ہے۔ پیپلز پارٹی اور کالعدم عوامی لیگ کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں، تنظیمی حکمت عملیوں، ماضی کی سرگرمیوں اور مستقبل کے عزائم کا تنقیدی جائزہ لینے سے جو واضح فرق نظر آتا ہے وہ بڑا اہم و بنیادی فرق ہے۔ اس فرق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی دونوں کو ایک لکڑی سے ہانکنے کی غلطی کا ارتکاب کرنا چاہیئے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ سامراج نے اپنے وہ تمام انڈے جو مختلف ٹوکریوں میں رکھے ہوئے تھے ایک ہی ٹوکرے میں جمع کر دیئے تھے۔ پاکستان کے کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ دار براہ راست اور کھلم کھلا کالعدم عوامی لیگ کی سرپرستی کر رہے تھے۔ امریکہ روس اور بھارت کا گٹھ جوڑ مجیب کا پوری بے حیائی سے ساتھ دے رہا تھا۔ اور سارے رجعت پسند مجیب کے سامنے ناک رگڑ رہے تھے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ سب خالی از علت تھا؟ سب جانتے ہیں کہ مجیب امریکہ نواز سہروردی کا جانشین تھا۔ اور اس کی کالعدم پارٹی پورے پاکستان میں دائیں بازو کی امریکہ نواز پارٹی کہلاتی ہے اور مجیب نے بھی اس سے کبھی انکار نہیں کیا، اس سہروردی کا جس نے نہر سوئز پر سامراجی حملے کے دوران انتہائی بے شرمی سے برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کے حملے کی تائید کی تھی۔ کالعدم عوامی لیگ خارجہ پالیسی کے مسئلے پر ہی تو دائیں اور بائیں بازو میں تقسیم ہوئی تھی — مجیب خود عوام دشمن ہے اور مشرقی پاکستان میں عوامی سرگرمیوں کے خلاف بہ نفس نفیس عملی حصہ لے چکا ہے۔ آگے بڑھے ہوئے عوامی کارکنوں کو گولی مارنے اور گرفتار کروانے کی عوام دشمن پالیسیوں سے اتفاق کر چکا ہے اور اپنی اسی روش پر برابر بڑھتا ہی رہا ہے۔ اس نے اپنے ماضی سے کہیں بھی ناطہ نہیں توڑا۔ سرمایہ دارانہ قوم پرستی اور برسوں کی جمی جمائی پارٹی تنظیم کے علاوہ بائیں بازو کی تنظیمی غلطیوں کی وجہ سے بھی مجیب کو تن تنہا ابھرنے کا موقع ملتا رہا۔ عظیم عوامی ابھار کے زمانے میں بائیں بازو کی سیاست نے ہر محاذ پر مجیب نوازی اور ترمیم پسندی کا رویہ اختیار کیا۔ خود اپنے آپ کو مضبوط بنانے اور اپنی لائن چلانے کے تمام بہترین مواقع گنوا دیے اور جب انتخابات کی بحث چلی تو کچھ اس طرح بائیکاٹ کیا کہ انتخابی میدان مجیب کے ہاتھوں میں آگیا اور الیکشن کی گہما گہمی پر بائیں بازو کی سیاست کا اثر نہیں رہا۔ نہ ہی کوئی ایسا پلیٹ فارم رہا جہاں سے مجیب کی پول کھولی جا سکتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر جگہ مجیب کا طوطی بولنے لگا۔ انتخابات میں کالعدم عوامی لیگ کی پوزیشن اسی تجزیہ کی آئینہ دار ہے۔ چھ نکات کے غلغلے سے لیکر اب تک تمام سرگرمیوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مجیب اندرون ملک ڈھیٹ قسم کی رجعت پسندی کا فسطائی مرکز تھا اور عالمی سطح پر اس کے رشتے ناطے امریکی سامراج، بھارتی توسیع پسندوں اور روسی سوشل سامراجیوں سے استوار تھے۔ آجکل سارے عوام دشمن رسالے، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن افراد اور تنظیمیں قومی اور بین الاقوامی سطح پر واویلا مچا رہی ہیں۔ دشمن کا یہ واویلا ہی مجیب کے کردار کی پوری پوری وضاحت کر دیتا ہے۔

ان حالات میں مشرقی پاکستان کے اندر عوام اور ان کی تنظیموں کا فرض ہے کہ وہ قوتوں کو مجتمع کر کے مجیب نوازی کی عام موقع پرستانہ لہروں کو کاٹتے ہوئے قومی منافرت کی جگہ طبقاتی کشمکش اور عوامی جدوجہد کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کر کے اپنے آپ کو مضبوط بنائیں۔ ایک پاکستان کے موقف کو اپناتے ہوئے مغربی اور مشرقی پاکستان کے مظلوموں کے درمیان طبقاتی یگانگت کی فضا پیدا کریں۔ اور امریکی سامراجیوں روسی سوشل سامراجیوں، بھارتی توسیع پسندوں اور پاکستان کے کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں، بڑے جاگیرداروں، نوکر شاہی کے کارندوں کی مزدور دشمنی، کسان دشمنی، عوام دشمنی اور جمہوریت دشمنی اور مقامی اور بیرونی سازشوں کے خلاف مجاہدانہ پیشقدمی کریں۔ کالعدم عوامی لیگ منظمی طور پر چیخ گئی ہے۔ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر کالعدم عوامی لیگ کی موجودہ صورتحال سے پیدا ہونے والے خلاء کو اپنے خطوط پر پر کرنا، یقیناً محب وطن عوام اور ان کی تنظیموں کی ذمہ داری ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کو بھی کالعدم عوامی لیگ جیسے کردار کی حامل پارٹی سمجھنا سخت غلطی ہوگی۔ پاکستان پیپلز پارٹی اپنے آخری تجزیہ میں کالعدم عوامی لیگ سے ٹکرانے کا فرض انجام دے رہی تھی۔ دونوں کے اندر یکسانیت تلاش کرنے والے یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اگر ان کا تجزیہ صحیح ہے تو پھر دونوں نے سمجھوتہ کر کے، سامراج اور اس کے حواریوں کی دلالی کرتے ہوئے عوامی جدوجہد کو قطعی طور پر ختم کرنے کا قابل نفرت فریضہ انجام دینے کا موجودہ سنہری موقع کیوں گنوا دیا؟ ظاہر ہے کہ دونوں کے کردار میں بنیادی فرق تھا اسی لئے یہ سمجھوتہ ناممکن تھا اور نہیں ہوا۔

کالعدم عوامی لیگ کے سامراج نواز اور بھارت نواز کردار کے مقابلے میں پاکستان پیپلز پارٹی کا چین نواز کردار یقیناً مثبت پہلو کا حامل ہے مجیب —— ہارون، ولیکا، داؤد اور آدم کے ذریعے سامراج کے نوکر کا نوکر تھا۔ اور پاکستان پیپلز پارٹی میں شہروں کے چھوٹے صنعتکار جو خود کمپرادار نوکر شاہی سرمایہ داروں کے شدید مخالف ہیں، اور دیہات کے چھوٹے زمیندار شامل ہیں اور اس پارٹی میں مزدور کسان اور طالب علم بھی بڑی بھاری تعداد میں شامل ہیں —— اسی کے ساتھ ساتھ پرانی کنونشن لیگ کے کافی موثر عناصر اور مغربی پاکستان کے بہت سے ڈھیٹ وڈیروں اور چودھریوں نے پاکستان پیپلز پارٹی میں اپنی شمولیت سے موقع پرستی کے منفی رجحان کو تقویت پہنچائی ہے —

اس وقت پاکستان پیپلز پارٹی اور عوام دوستوں کا فرض ہے کہ موجودہ سیاست میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے ہوئے، مثالی عوام دوستی اور طبقاتی بصیرت و شعور کا مظاہرہ کریں اور طبقاتی گٹھ جوڑ کی دھند کو کاٹتے ہوئے عوامی جدوجہد اور طبقاتی کشمکش کی رو کو تیز کرتے ہوئے اپنی عوامی جمہوری صف بندی کا فریضہ انجام دیں۔

عوام دوست سیاست اور عوام دشمن سیاست کے فرق کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر عوامی جمہوری نقطۂ نظر سے صحیح خطوط پر تنظیمی اور نظریاتی کام نہ کیا گیا تو دائیں بازو کے دُم چھلے بن کے شکار بن جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر یہ کام کئے بغیر نظریہ پرستی اور کٹھ ملائیت کا ثبوت دیا گیا تو عوام سے کٹ کر بائیں بازو کی انتہاپسندی کے رجحان کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ کنوئیں کا مینڈک بن کر یا پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر عوام دوستی کا فرض پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اور عوام دوستی کا فریضہ پورا کئے بغیر مکمل معاشی، سیاسی اور ثقافتی تبدیلی کے خوابوں میں حقیقت کا رنگ نہیں بھرا جا سکتا۔

اسی کے ساتھ ساتھ اگر موجودہ صورتحال کا اور زیادہ اچھی طرح سے تجزیہ کرنے کیلئے حب الوطنی، جمہوریت نوازی اور فلاحی معیشت کے عوامی مفہوم کو سمجھ لیا جائے تو مناسب ہوگا۔

جہاں تک جمہوریت اور اس کے حصول کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ جمہوریت کیلئے عوام دوست ہونا لازمی شرط ہے۔ اس میں عوام دوستوں کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اگر جمہوریت عوام دوستوں کی دشمن ہو تو وہ کسی طرح بھی عوام دوستی کا دعویٰ نہیں کر سکتی اس لئے جمہوریت کے نام پر شورشیں برپا کرنے اور اس کی دہائی دینے والی سیاسی پارٹیاں اور افراد اگر اس شرط پر پورے نہ اتریں تو انہیں عوام دوست یا جمہوریت کا علمبردار سمجھنا خود عوام دوستی نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اگر معیشت مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کی بہبودی کی ضامن نہ ہو اور ان طبقوں کے معاشی حقوق کے تحفظ کیلئے فلاحی مملکت اور عوامی جمہوری ریاست کے قیام کے بارے میں مخلص نہ ہو تو یہ بھی عوام دشمن کردار ادا کرے گی اور حب الوطنی امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کی دشمنی اختیار نہ کرے تو یہ بھی حب الوطنی کے ساتھ منافقت ہوگی۔

اس ضمن میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ پاکستان جیسے نیم نوآبادیاتی ملکوں کی تاریخ میں موجودہ دور بنیادی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی تبدیلیوں کا

دور ہے —— سامراج کی تمام معاشی، سیاسی اور ثقافتی شکلوں کو مٹانے اور ان کی جگہ قومی جمہوری عوامی معیشت، سیاست اور ثقافت کو نافذ کرنے کا دور ہے۔ لیکن ان تبدیلیوں کے لئے عوام دوستوں کے علاوہ کسی اور کی قیادت اور ہمنوائی پہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ برصغیر پاک و ہند کی پچھلے پچاس برس کی سیاست اس دعوے کا ثبوت ہے۔ ایسے قومی جمہوری عوامی ریاستی نظام کے علاوہ کوئی اور نام دینا غلط ہوگا کیونکہ نیم نوآبادیاتی اور نوآبادیاتی ملکوں کے اندر سامراج نے قومی جمہوری عوامی جدوجہد کو ناکام بنانے کی غرض سے اصلاح پسندی کو بڑے پیمانے پر رواج دیا ہے اور اس عوام دشمن ہنگامے بازی میں جو نت نئی شکلوں میں سامنے آتی ہے، سامراج اور ان ملکوں کے رجعت پسند طبقے ترمیم پسندوں کو عوام کو گمراہ کرنے کے لئے پوری طرح استعمال کرتے ہیں۔ ان کا بنیادی کردار ہی یہ ہے کہ عوامی جمہوری سیاست کے مقابلے پر جو —— سامراج اور سامراج کے حلیف کمپرادار نوکرشاہی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مکمل خاتمے سے عبارت ہے —— ایک ایسی سیاست کو رواج دیا جائے جس میں سامراج کے ساتھ سمجھوتے بازی اور سامراج کے حلیف طبقوں کے ساتھ مفاہمت اور اطاعت پسندی کی پالیسی کو عوامی فلاح و بہبود کے نام پر پیش کیا جائے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ملکوں میں قومی جمہوری عوامی ضروریات کے مطابق مکمل تبدیلیاں موجودہ دور میں صرف محنت کش طبقے کی قیادت میں کامیابی سے لائی جا سکتی ہیں۔ ان کی مکمل ہمنوائی صرف غریب کسان محنت کش طبقے اور دانشور کر سکتے ہیں۔ ان کی تکمیل موجودہ نیم نوآبادیاتی اور نیم جاگیردارانہ نظام کو مٹا کر سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے سے نہیں ہو سکتی کیونکہ آج خودمختار سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا ممکن ہی نہیں رہا ہے اس لئے کہ آجکل تمام بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک بھی خود امریکی سامراج، اور روسی سوشل سامراج کے جوتے تلے کراہ رہے ہیں۔

محنت کش عوام کی سیاست کا اصل مقصد ایک ایسی عوامی جمہوریت کا قیام ہے جو جاگیرداری کو جڑ سے اکھاڑ ڈالے اور کمپرادار نوکرشاہی سرمائے کو مکمل طور پر قومی ملکیت میں لے کر سرمایہ داری کو موجودہ بے لگام، وحشیانہ اور ظالمانہ شکل میں قائم نہ رہنے دے۔ اس کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ سوشلزم کے لئے راہ ہموار کرے۔

موجودہ حالات میں عوام دوستوں کی پوزیشن نسبتاً بہتر، مضبوط اور موثر ہوئی ہے۔ موجودہ بحران اور تضادات مکمل طور پر ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ وقتاً فوقتاً اپنی شکل بدلتے رہیں گے۔ یہ بحران پارلیمانی سیاست اور سامراجی ریشہ دوانیوں کا پیدا کردہ ہے اور اس بحران کی وجہ سے پارلیمانی سیاست ناکام ہو گئی ہے جب تک موجودہ سیاست میں عوامی جمہوری سیاست بالادستی حاصل نہیں کریگی یہ مسئلے شکل بدل بدل کر اپنی بنیادی حیثیت میں جوں کے توں رہیں گے اور ان کی وجہ سے جو بحران پیدا ہوں گے ان میں سی آئی اے کو بھی اپنی ٹانگ اڑانے کا موقعہ ملتا رہے گا۔ ان سب کی سرکوبی کے لئے عوامی جمہوری متحدہ محاذ ہی کی ضرورت ہے۔

محنت کش اور دوسرے مظلوم عوام ملک کے دونوں حصوں میں سیاسی طور پر فعال اور سرگرم ہیں۔ لیکن سیاسی مقاصد کے تعین، سیاسی حکمت عملی کی ترتیب طریقہ کار کے انتخاب حالات کے عوامی جمہوری نقطۂ نظر سے تجزیئے اور تنظیمی قیادت کے لحاظ سے عوامی جمہوری قوتیں ابھی زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔ دونوں حصوں میں ان کا اپنا اپنا حلقۂ اثر ضرور ہے مگر یہ ابھی اس حد تک بڑھا نہیں ہے اور اتنا مضبوط نہیں ہوا ہے کہ عوام کو رجعت پسندوں کی سازشی سیاست کے چکروں سے مکمل نکال سکے۔

موجودہ بحران اور موجودہ کشمکش میں اتنی بہت سی ملکی اور غیر ملکی طاقتیں باہم متصادم ہیں کہ عوامی جمہوری قوتوں کیلئے ان کی وجہ سے پیدا شدہ اس گنجلک اور گمبھیر صورتحال سے فوری طور پر نپٹنا نہایت مشکل ہوگا۔ ملک میں عوامی جمہوری قوتوں کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اپنی عوامی طبقاتی صف بندی کریں اس سلسلے میں دیہاتوں میں عوامی جمہوری سیاست کا پرچار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ حالیہ انتخابات کے زمانے میں اور اس سے پہلے کے سیاسی عمل کی وجہ سے دیہاتوں کے اندر اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ دیہاتوں میں عوامی جمہوری سیاست کا پرچار کیا جا سکے اس وقت دیہاتوں کی طرف توجہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ عوامی کارکنوں اور رہنماؤں کے چھوٹے چھوٹے دستے علاقائی پیمانے پر دیہات کے اندر کسانوں کی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے، پیداواری رشتوں اور سیاسی حقوق کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرنے اور انھیں منظم کرنے کیلئے متواتر اور مسلسل جائیں تاکہ ملک کی اسی فیصد آبادی — کسانوں کو جو ملک کی سیاست میں فیصلہ کن قوت ہیں عوامی جمہوریت کے پرچم تلے جمع کر کے عوامی جمہوری متحدہ محاذ کی بنیاد ڈالی جا سکے۔

****

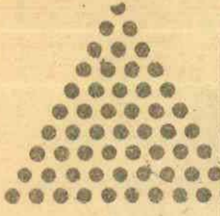
امریکہ کو پولیس اسٹیٹ بنایا جا رہا ہے

۲ جنوری کو صدر نکسن نے ایک بل پر دستخط کئے ہیں جس کے مطابق امریکی پولیس کو اگلے تین سال کے اندر ان کے لئے مختص کردہ رقم سے تین ارب پچاس کروڑ ڈالر زائد دیئے جائیں گے۔ شہری آزادیوں کو کچلنے کے لئے اتنی بڑی رقم مختص کرنے کا یہ فیصلہ واشنگٹن کے معروف صحافی جوزف گولڈن (Joseph Goulden) کے وہ الفاظ یاد دلاتا ہے کہ وفاقی حکومت نے امریکہ کو ایک ایسے معاشرہ میں تبدیل کر دینے کے لئے خطرناک اقدامات کئے ہیں جس میں کہ پولیس کے اداروں کو تشدد کرنے کے لئے ایسے مواقع حاصل ہو جاتے ہیں جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

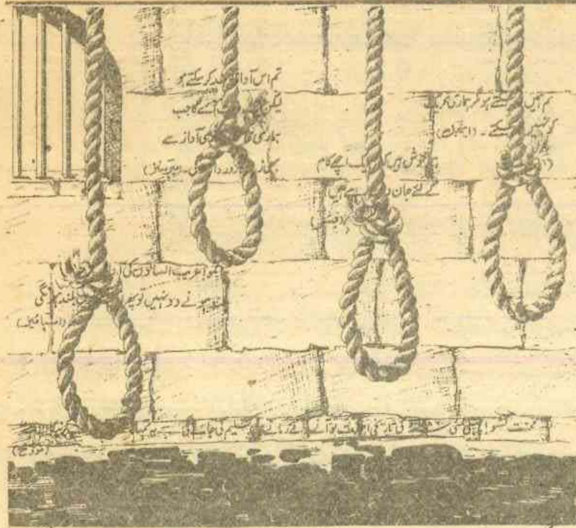
اس بات کی تصدیق کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ نفاذ قانون کے لئے امداد (Law Enforcement Assistance) نام کے ایک ادارے کی سرگرمیوں کے بارے میں اطلاع عوام تک پہنچائی گئی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں محکمۂ انصاف کے تحت پولیس فورس کی امداد کے لئے قائم شدہ اس تنظیم کا بجٹ اب ایک ارب ڈالر ہوگا۔

امریکہ کے غیر مطمئن عوام اور مختلف سوچ رکھنے والے افراد کو کچلنے کے لئے پولیس امریکی مشین کا محض ایک پرزہ ہے۔ بالکل یہی کام ایف بی آئی FBI کرتی ہے جس کے پاس ہزاروں باتنخواہ جاسوسوں اور مخبروں کا اسٹاف کام کرتا ہے، جس کے پاس تقریباً ہر ایک امریکی کی فائل موجود ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس بھی ہے جس کے خفیہ ایجنٹ جنگ کے خلاف ہونے والے مظاہروں میں گھس جاتے ہیں۔ نیشنل گارڈز بھی ہے جس کے سپاہی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے غیر مسلح مظاہرین کے ہجوم پر فائرنگ کر دیتے ہیں جیسا کہ کینٹ میں ہو چکا ہے۔

قدم بہ قدم اور منزل بہ منزل امریکہ کے حکمراں حلقے ملک کو ایک پولیس اسٹیٹ میں تبدیل کر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔











یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء

کو شکاگو کے ایک مزدور اخبار میں تاریخی بصیرت اور طبقاتی شعور رکھنے والے کسی صحافی کے یہ لافانی الفاظ چھپے،

"بہادری سے آگے بڑھے چلو"

لڑائی سشروع ہوگئی ہے۔"

مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد بیروزگار ہے۔ سرمایہ داری کے خونی پنجے قانون اور بے جان امن کے کھوکھلے پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔

محنت کشو !

تمہارا نعرہ اب یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ پہلی مئی کی تاریخی اہمیت تو آنے والے زمانے میں تسلیم کی جائے گی۔ یہ تمہارے حقوق طلب کرنیکا دن ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ سرمایہ دار بغیر لڑے ہوئے کام کے گھنٹے کبھی کم نہیں کریں گے۔

شکاگو کے مزدوروں نے اپنا خون دیکر اس گمنام صحافی کے ایک ایک لفظ کو درست ثابت کردیا۔ امریکہ کے شہر شکاگو کے محنت کشوں نے اوقات کار میں کمی کرانے کی جدوجہد میں بہنے والے خون سے دنیا بھر کے محنت کشوں اور انقلابیوں کو سرخ پرچم عطا کیا۔ اور ایک شہر کے جیالوں کی یہ جدوجہد وسعت اور ہمہ گیری اختیار کرکے زمان و مکان کی وسعتوں تک پھیل گئی۔ ہر صنعتی ملک میں سرمایہ دار اور محنت کش طبقوں کے مابین طبقاتی کشمکش روز بروز زیادہ سے زیادہ شدید ہوتی گئی۔

سنہ ۱۸۹۰ء کی دہائی امریکی صنعت و تجارت کی ترقی کے لحاظ سے ایک اہم دہائی تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام جس کی بنیاد ہی بے تحاشہ منافع خوری پر ہے اس نظام کی بدولت امریکہ کو سنہ ۱۸۷۳ء کے معاشی بحران کے بعد سنہ ۸۵-۱۸۸۴ء میں ایک اور زبردست معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بحران کے سبب کروڑوں مزدور روزگار سے محروم ہوگئے۔ بے روزگار مزدوروں کی ایک زبردست فوج نے محنت کش طبقے کی معاشی اور تنظیمی جدوجہد کو مزید تقویت بخشی، اور خاص طور پر شکاگو کے مزدور جن کی قیادت نسبتاً بائیں بازو کے ترقی پسند رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی انکی معاشی مطالبات کے حصول کی جدوجہد ایک طاقتور تحریک کے طور پر ابھری اور مئی سنہ ۱۸۸۶ء کی ہڑتال ایک شاندار تحریک کی شکل اختیار کرگئی۔ اس ہڑتال میں مزدوروں کے لئے کام کے آٹھ گھنٹے مقرر کرنیکے مطالبے کو پوری شدت سے رکھا گیا اس کے بعد مزدوروں کے جوش جذبے واتحاد سے خائف اور ان کا خون چوسنے والے سرمایہ داروں نے اپنے مزدور دشمن اقدامات کو مزید تیز کردیا اور ان کی ہڑتال توڑنے اور جلسے درہم برہم کرنے کی سازشیں کیں۔ ان کارروائیوں کے بعد مزدوروں نے غیض و غضب کے عالم میں ۳ مئی کو پھر جلوس نکالا۔ ۴ مئی کو ہلاک اور زخمی ہونے والے مظاہرین کی حمایت میں ایک اور جلوس کا پروگرام بنایا گیا۔ شکاگو کی "ہے مارکیٹ" کے چوراہے پر مزدور بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ مگر خونی درندوں کی پیاس ابھی بجھی نہیں تھی۔ انھیں معصوم مزدوروں کا خون ابھی اور پینا تھا۔ پولیس اور فوج نے مزدوروں پر قاتلانہ حملہ کردیا۔ سڑکیں، دیواریں، نالیاں، محنت کشوں کے خون سے سرخ ہوگئیں۔ ان کا اپنا پرچم ان کے اپنے خون سے لال ہوگیا۔

سرمایہ دارانہ نظام میں استحصالی طبقے محنت کشوں کے حقوق خود کبھی نہیں دیا کرتے بلکہ مظلوم طبقوں کو اپنے مطالبات منوانیکے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور جدوجہد کے ہر مرحلے سے گزرنے کے بعد آخرکار چند لیڈروں کی مطلق العنانی و بالادستی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا پڑتا ہے۔ یہی عمل سنہ ۱۸۸۶ء میں شکاگو کے مزدوروں نے کیا۔ اور اسی اصول کو بعد میں دنیا بھر کے محنت کشوں اور انقلابیوں نے اپنا رہنما اصول بنالیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی عمارت محنت کشوں کے خونی استحصال کی بنیاد پر کھڑی ہوئی ہے اور محنت کشوں کو اس نظام کو ختم کرنیکے لئے کٹھن اور صبر آزما

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

پیرس کمیون کا عظیم پرچم سربلند رہے گا

شبیہ عباس

جو جہاں موجود ہے اُٹھ کھڑا ہو!

(۱۸۷۱ء ——— ۱۹۷۱ء)

اب سے ایک صدی پہلے پیرس کے جیالے محنت کشوں نے سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کے خاتمے کے لئے دلیرانہ جدوجہد کا آغاز کیا۔ محنت کش طبقے کے جیالے بیٹوں اور بیٹیوں نے لوٹ کھسوٹ کے خاتمے اور محنت کش طبقے کے اقتدار کے قیام کے لئے اپنے خون سے وہ مشعل روشن کی جس کی روشنی میں پوری دنیا کے محنت کشوں نے اپنی منزل کی سمت اور راہ کا تعین کیا۔ اور آج کمیون کے انقلابیوں کی روشن کی ہوئی اس مشعل کے شعلے ساری دنیا میں بھڑک رہے ہیں۔ سو سال قبل پیرس میں گونجنے والے نعروں کی بازگشت آج ساری دنیا میں پہلے سے زیادہ تیزی سے گونج رہی ہے۔ کرۂ ارض کے چاروں طرف موجود محنت کش اور انقلابی عوام پوری قوت سے نعرے لگا رہے ہیں۔ پیرس کمیون زندہ باد۔ محنت کشوں کا انقلاب پائندہ باد۔

۱۸ر مارچ ۱۸۷۱ء کو پیرس کے صنعتی مزدوروں اور انقلابی عوام کی عظیم اکثریت نے رجعت پرست سرمایہ داروں کے اقتدار کے خلاف ایک مسلح بغاوت کی۔ اس بغاوت کے نتیجے میں پیرس کمیون وجود میں آیا۔ سرمایہ داری کے خاتمے اور محنت کشوں کے اقتدار کے قیام کیلئے عالمی پیمانے کی اہمیت کی یہ پہلی لڑائی تھی جو محنت کش طبقے نے منظم کی ــ

پیرس کمیون کا انقلاب اس وقت واقع ہوا جب فرانس پروشیا (جرمنی) سے مصروف جنگ تھا اور فرانس میں قومی و طبقاتی تضادات بے حد شدید ہو چکے تھے۔ جولائی ۱۸۷۰ء میں لوئی بوناپارٹ (نپولین سوئم) نے جو دوسری فرانسیسی سلطنت کا حکمراں تھا، پروشیا کے خلاف جنگ کا آغاز کیا۔ اس جنگ میں فرانسیسی فوج کو متواتر نقصانات اٹھانا پڑے اور پروشیا کی فوج فرانسیسی حدود میں داخل ہو گئی۔ یکم اور دو دسمبر کو نپولین سوئم کو سیڈان میں ایک تباہ کن شکست ہوئی۔ اس نے پروشیا کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور اسے قیدی بنا لیا گیا ــ جنگ میں فرانسیسی فوج کی پسپائی نے حکمران طبقوں کے اقتدار کو کمزور کر دیا۔ اسی دوران جنگ نے عوام کے شعور کو نئی بلندیوں تک پہنچا دیا اور انقلاب کے لئے ان کی سوچ اور جذبے کو بڑھا وا دیا۔ ۴ر ستمبر کو پیرس میں انقلاب برپا ہو گیا دوسری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور تیسری فرانسیسی جمہوریہ کا اعلان کر دیا گیا۔ ایکبار پھر اقتدار سرمایہ دار طبقوں کے ہاتھوں میں چلا گیا، اور ایک نام نہاد "قومی دفاع کی حکومت" رجعت پرست افسر ٹروچو کے ذریعے تشکیل دی گئی۔

اپنے قیام کے دن سے "قومی دفاع کی حکومت" نے سلسلہ وار ایسے منصوبوں پر عملدرآمد کیا جن کے مطابق دشمن سے گٹھ جوڑ اور ملک سے غداری کی گئی ــ ۲۸ر جنوری ۱۸۷۱ء کو اس نے پروشیا کے ساتھ ایک اطاعت پسندانہ معاہدہ کیا ــ ۱۷ر فروری کو فرانس کی قومی اسمبلی نے جو جاگیرداروں اور شاہ پرست عناصر پر مشتمل تھی، قاتل غدار تھیئرز کی رہنمائی میں ایک حکومت قائم کی۔ ۲۶ فروری کو فرانس کے تھیئرز اور پروشیا کے چانسلر بسمارک نے ایک ابتدائی امن معاہدے پر دستخط کئے۔ جس کے مطابق فرانس نے الساس اور لورین کا مشرقی حصہ پروشیا کو دیدیا اور پانچ ارب ملین فرانک بطور تاوان دینے منظور کئے۔

جب پروشیا کی افواج پیرس میں مجتمع ہوئیں اور انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تو عوام کے مختلف حصوں کی بھاری تعداد نے ہتھیار اٹھا لئے اور قومی محافظوں میں اپنے نام درج کرا لئے۔ نیشنل گارڈ کے اراکین کی تعداد تیزی سے ۳ لاکھ تک پہنچ گئی اس میں مزدوروں کی عظیم اکثریت تھی۔ مسلح محنت کشوں اور رجعت پرست حکومت کے مابین معاندانہ تضاد ایک کھلے ہوئے شدید ٹکراؤ میں تبدیل ہوتا گیا۔ پیرس کے عوام نے ۳۱ر اکتوبر ۱۸۷۰ء اور ۲۲ر جنوری ۱۸۷۱ء کو دو ابھار برپا کئے۔ یہ دونوں غدار حکومت نے کچل دیئے۔ عوام کے کچلنے کی سازش کے باوجود عوام کی عظیم اکثریت نے اپنے ہتھیار نہیں ڈالے جس کے نتیجے میں تھیئرز حکومت نے اپنے قیام کے فوراً بعد عوام کو غیر مسلح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۸ر مارچ کے ابتدائی گھنٹوں میں تھیئرز نے اپنی رجعت پرست افواج کو قومی محافظوں سے ہتھیار چھیننے کے لئے شہر کے شمالی حصے میں روانہ کیا۔ لیکن انہیں پیرس کے بہادر عوام اور قومی محافظوں نے مار کر واپس بھگا دیا۔ قومی محافظوں کی مرکزی کمیٹی کے تحت اسی روز پیرس کے عوام نے ایک مسلح یلغار کی اور پیرس کے سرکاری اداروں پر قبضہ کر لیا۔ قومی محافظوں کی مرکزی کمیٹی انقلاب کی عارضی حکومت بن گئی۔ اور تھیئرز کی رجعت پرست حکومت ورسیلیز فرار ہو گئی۔

۲۶ر مارچ کو پیرس کے عوام نے کمیون کے اراکین کا انتخاب کیا۔ ۲۸ر مارچ کو پیرس کمیون کا اعلان کیا گیا۔

پیرس کمیون کے قیام کے بعد جاری کئے جانے والے پہلے فرمان میں سرمایہ داروں کی افواج کو توڑنے اور ان کی جگہ مسلح عوام کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ کمیون نے

سرمایہ داروں کے نوکرشاہی ڈھانچے کو توڑ دیا جس نے عوام کو غلام بنایا تھا۔ کمیون نے مقننہ اور انتظامیہ کو متحد کر کے ریاستی امور کو چلایا۔ سرکاری افسران کو عوام کا حقیقی خادم بنانے کے لئے کمیون نے سابقہ حکومتوں کے افسران کو بھاری تنخواہیں دیئے جانے کے طریقۂ کار اور دوسری تمام مراعات کا خاتمہ کر دیا۔

معاشی طور پر کمیون نے مزدوروں اور دوسرے محنت کش عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے متعدد اقدامات کئے۔ اس نے وہ کارخانے جو سرمایہ داروں نے بند کر دیئے تھے یا جنہیں وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، مزدوروں کی امداد باہمی کی انجمنوں کے حوالے کر دیئے۔ تاجروں کو مزدوروں پر زبردستی جرمانے کرنے اور ان کی اجرتوں میں کمی کر کے انھیں لوٹنے سے روک دیا گیا۔ کمیون نے محنت کش عوام کی املاک اور اشیا جو گروی رکھی گئی تھیں ان کے مالکان کو واپس کرنے کے احکامات جاری کئے — اس نے ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق مکانات کے کرایوں وغیرہ کو معطل کرنے کا اعلان کیا گیا۔ کمیون نے چرچ اور ریاست کو علیحدہ کر کے مذہبی پاپائیت کو ختم کرنے کی طرف ایک قدم اٹھایا۔ بہت سے ملکوں کے محنت کش طبقے کے عظیم بیٹوں اور بیٹیوں نے کمیون کے انقلابی مقصد میں تعاون کیا اور ان میں سے کچھ کمیون کے رکن بنے۔ کمیون نے خاص طور سے وینڈوم کالم کے اس مجسمے کو توڑنے کا حکم جاری کیا جو سرمایہ داروں کی جارحانہ قوم پرستی کی علامت تھا اور پیرس کے وسط میں نصب تھا۔ پیرس کمیون کے انقلاب نے محنت کشوں کے بین الاقوامیت کے عظیم جذبے کا مظاہرہ کیا۔

پیرس کے اوپر لہرانے والا محنت کش طبقے کا سرخ پرچم پرانی دنیا کے لئے ایک چیلنج تھا۔ رجعت پرست تھیئرز حکومت جو ورسیلیز میں رجعت پرست افواج کو جمع کر رہی تھی اس نے ۲ اپریل سے پیرس کمیون پر حملوں کا آغاز کیا۔ پروشیا کے چانسلر بسمارک نے بوناپارٹ کی ایک لاکھ افواج کو جو فرانس اور پروشیا کی جنگ کے دوران گرفتار کی گئی تھیں انھیں منتقل کر دیا تاکہ ورسیلیز کی حکومت پیرس کے مزدوروں کا قتلِ عام کر سکے۔ ۲۱ مئی کو رجعت پرست ورسیلیز کی رجعت پرست فوج نے پیرس میں جنگ کی جبکہ پیرس کے بہادر مزدوروں نے مسلح مزاحمت کرنے کے لئے سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں — سڑکوں پر شدید جنگ کا آغاز ہوا۔ یہ واقعہ تاریخ میں (مئی کے خون میں ڈوبے ہوئے ہفتے) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ پیرس کے عوام جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، انہوں نے محنت کشوں کے اقتدار کا دفاع کیا — ہر سڑک اور ہر مکان کمیون کے دفاع اور دشمن کو تباہ کرنے کے لئے کمیون کے مجاہدوں کے قلعے میں تبدیل ہو گیا۔ ۲۴ مئی کو تھیئرز کی رجعت پرست افواج نے ٹی وی ہوٹل پر قبضہ کر لیا جس میں کمیون کے مختلف شعبے تھے۔ ۲۷ مئی کو کمیون کے مجاہدین آخری مرتبہ پیرس لذکائس کے قبرستان کی طرف پسپا ہو گئے جو پیرس کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ انہوں نے دشمن کے ساتھ زندگی اور موت کی شدید جدوجہد کرتے ہوئے بہادری کے ساتھ ایک عظیم آدرش کے لئے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ ۲۸ مارچ کو ورسیلیز کے غداروں نے پورے پیرس پر قبضہ کر لیا اور وہاں پر عوام کا بیدردی سے قتل شروع کیا اور ایکبار پھر یہ شہر سرمایہ دارانہ اقتدار سے جگمگاتے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ پیرس کمیون کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت محنت کشوں کی کوئی انقلابی تنظیم موجود نہیں تھی۔ چند مسائل پر کمیون نے شدید غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ پیرس کمیون کے انقلابیوں نے کامیابی کے بعد ورسیلیز کی جانب مارچ نہیں کیا جو انقلاب دشمن عناصر کا گڑھ تھا۔ وہ انقلاب دشمنوں کو آخری اور فیصلہ کن طور پر نہیں کچل سکے اور چند اہم تجارتی ادارے جیسے بینک آف فرانس کو قبضے میں لینے سے ناکام رہے۔ مزید براں کمیون نے کسانوں سے اتحاد نہیں کیا اور ان کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

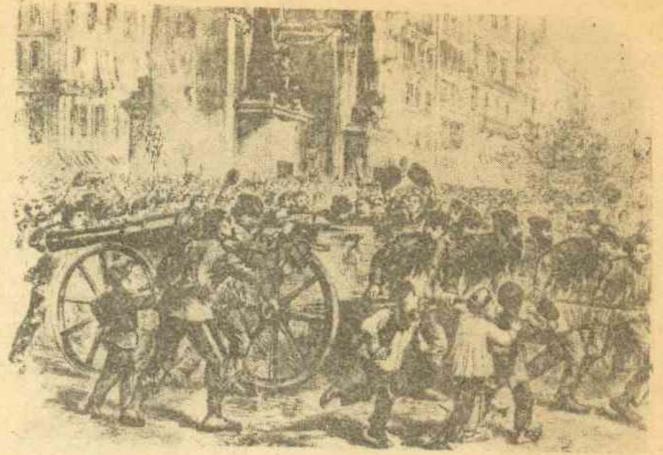
پیرس کمیون کے قیام اور اس کے دفاع کے لئے محنت کشوں نے شاندار جدوجہد کی کمیون کے انقلابیوں نے غیر معمولی بیلقدمی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، اور خود کو انقلاب کے مقصد پر قربان کرنے کی جراتمندی دکھلائی۔ انہوں نے اس تحریک کے دوران وہ کارنامے سرانجام دیئے جنہیں آئندہ آنے والی نسلیں ہمیشہ فخر سے یاد کریں گی۔ اگرچہ کمیون، قاتل تھیئرز، بسمارک گٹھ جوڑ کے ذریعے محنت کشوں پر خونی تشدد کرنے کے سبب ناکام رہا لیکن اس کے تاریخی عطیات اور تجربات انتہائی قیمتی ہیں۔

دنیا کے محنت کش، مظلوم عوام اور محکوم قوموں نے گذشتہ ایک صدی سے قومی جمہوری انقلاب اور سوشلسٹ انقلاب برپا کرنے کے لئے بہادری سے لڑتے ہوئے ایک دوسرے کو ابھار کر اور ایک دوسرے کی حمایت کر کے موج در موج آگے بڑھتے ہوئے شاندار جدوجہد کی ہے اور عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں۔ یہ ایک ایسا تاریخی دور ہے جس میں عالمی سرمایہ داری اور سامراج زوال پذیر ہو کر اپنے انجام کی طرف جا رہے ہیں اور عالمی سوشلزم عوامی جمہوریت فتح کی جانب گامزن ہیں۔ نئے تاریخی حالات میں پیرس کمیون کا پیغام دور دور اور نئی بلندیوں تک پہنچ رہا ہے۔ دنیا میں ایک بڑی زبردست تبدیلی ہو رہی ہے۔

آج پیرس کمیون کی روشن کی ہوئی انقلابی مشعل کے شعلے ساری دنیا میں بھڑک رہے ہیں اور سامراج، سوشل سامراج اور تمام رجعت پرستوں کے گنتی کے دن رہ گئے ہیں۔ پیرس کمیون انقلاب اور انقلاب دشمنی کے درمیان شدید جدوجہد کے سبب پیدا ہوا تھا۔ پیرس کمیون کے ۲۰ دن مسلح یلغار، مسلح جدوجہد اور مسلح دفاع کے ۲۰ دن تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پیرس کے محنت کشوں نے بندوق پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ اور یہی وہ وجہ تھی کہ جس کے سبب سرمایہ دار رجعت پرستوں کے دلوں میں دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔ پیرس کمیون کی ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے دشمن کو ختم کرنے کے لئے ورسیلیز کی طرف مارچ نہیں کیا اور تھیئرز کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی رجعت پرست افواج کو پیرس کے انقلابی عوام کا قتلِ عام کرنے کے لئے مجتمع کر لے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر پیرس کے عوام سرمایہ داروں



تھیئرز کا سایہ ——— (ایک کارٹون)



۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیرس کے انقلابی عوام مونٹ مارٹرے کے مقام پر پولیس اور تھیئرز کے فوجیوں کو توپوں پر قبضہ کرنے سے روک رہے ہیں۔

کے خلاف مسلح نہ ہوتے تو کمیون ایک دن بھی برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

دور حاضر کی محکوم قوموں کی آزادی کی تحریکیں محنت کشوں کے عالمگیر انقلاب کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہیں۔ قومی جمہوری انقلاب اور سوشلسٹ انقلاب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ دو مختلف ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں اور کردار میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بہر حال محکوم قوموں کو سامراج سے آزادی حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ سامراجیوں اور رجعت پرستوں سے مسلح طاقت کے امتحان کے لئے بالکل تیار رہا جائے۔ محکوم قوموں کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے بھی بندوق استعمال کریں اور سامراج کی بیدخلی کے لئے بھی بندوق استعمال کریں۔ جس طرح کے آج ہند چینی اور فلسطین کے عوام کر رہے ہیں۔

نامکمل اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی سامراج گذشتہ پچیس سالوں میں پچاس سے زیادہ مرتبہ مختلف ملکوں میں مسلح مداخلت اور مسلح جارحیت کا ارتکاب کر چکا ہے۔ جہاں تک امریکہ کی طرف سے مسلح تخریبی کارروائیوں کا تعلق ہے ان کا کوئی شمار نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی آزادی کے حصول، قومی آزادی اور سیاسی خود مختاری کے تحفظ کے لئے اور سامراج اور اس کے پٹھوؤں کی مسلط کردہ جارحیت اور تخریبی کارروائیوں کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لئے لازمی ہے کہ تمام محکوم قوموں کی اپنی سامراج دشمن افواج بھی ہوں۔ اور جارحانہ جنگوں کا انقلابی جنگوں سے مقابلہ کر کے جواب دینے کے لئے ہر وقت تیار رہا جائے۔ امریکی سامراجیت کے خلاف اور قومی نجات کی اس جنگ نے جو ویتنام، لاؤس، اور کمبوڈیا تینوں ملکوں کے عوام نے شروع کر رکھی ہے، دنیا بھر کی محکوم قوموں اور عوام کے لئے ایک شاندار مثال قائم کی ہے۔ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے مختلف ممالک اور علاقوں کے عوام کی سامراج دشمن جدوجہد نے بھی قابل قدر تجربات فراہم کئے ہیں۔

درحقیقت امریکی سامراج اور اس کے پٹھوؤں کے خلاف عوامی جنگ سب سے مؤثر ہتھیار ہے۔ دنیا کی محکوم قومیں جو غیر مسلح اور جنگ میں ناتجربہ کار ہیں وہ ہتھیار اٹھا لیں گی اور ایک دن جنگ میں مہارت حاصل کر لیں گی۔ امریکی سامراج اور اس کے پٹھو عوامی جنگ کے شعلوں میں جل کر بھسم ہو جائیں گے جو خود انھوں نے بھڑکائے ہیں۔ طبقاتی شعور رکھنے والے عوام کی بڑی تعداد کے بغیر، عوام کی بہادری کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے بغیر اور آسمانوں میں طوفان برپا کرنے کے لئے تیاری اور اس کی صلاحیت کے بغیر مطلق العنانیت کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ پیرس کے محنت کش آسمانوں میں طوفان برپا کرنے والی انقلابی جرأتمندی سے بغاوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تاریخ کا ایک عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ تاریخی تجربہ کے مطابق، سینکڑوں پروگراموں اور دلائل کے مقابلے میں

اگر کمیون کو شکست ہو گئی تو بھی یہ جدوجہد وقتی طور پر موقوف ہو گئی۔ کمیون کے اصول غیر فانی ہیں اور انھیں مٹایا نہیں جا سکتا۔ یہ اصول اس وقت تک بار بار اپنی صداقت ظاہر کرتے رہیں گے جب تک کہ مزدور طبقے کو نجات حاصل نہیں ہو جاتی۔

(پیرس کمیون کے بارے میں کارل مارکس کی ایک تقریر سے اقتباس)

عالمی مزدور انقلاب کا عالمی ارتقاء بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

کرۂ ارض کے چاروں طرف عوام یہ نعرہ بلند کر رہے ہیں کہ امریکی سامراج اور اس کے پالتو کتوں کو شکست دیدو، حکمت عملی کے لحاظ سے امریکی سامراج کے پشت پناہ علاقے سامراج دشمن جدوجہد کے اگلے مورچوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ میں قومی آزادی کی تحریکیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی جا رہی ہیں۔ متعدد مشرقی یورپی ممالک میں سوشل سامراج کے خلاف عوام کی انقلابی جدوجہد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ تحریکیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہوئے اور ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہوئے عالمگیر انقلابی تحریک کی طاقتور لہر میں شامل ہوتی جا رہی ہیں۔

انقلابیوں کو عوام کے دکھوں اور مسرتوں میں شریک ہونا چاہیئے، بلا جھجک ان سے سیکھنا چاہیئے اور ان کے شاگرد بننا چاہیئے۔ انہیں عوام کی انقلابی پہلقدمی کو بڑھاوا دینے میں ماہر ہونا چاہیئے اور ان سے عقل اور قوت حاصل کرنی چاہیئے۔

انقلاب کا اولین اور اہم ترین سوال دوستوں اور دشمنوں کے مابین تفریق کر کے اپنے اصل دوستوں کے ساتھ متحد ہونا اور اپنے حقیقی دشمنوں پر حملہ آور ہونا ہے۔ عوامی انقلابی تحریک کا ارتقاء اس امر کا متقاضی ہے کہ انقلابی قوتوں کے مابین اتحاد کو مستحکم کیا جائے سامراجیوں، ترمیم پسندوں، اور رجعت پسندوں کے تیار کئے ہوئے منصوبوں، سازشوں اور تخریبی کارروائیوں کو ناکام بنایا جائے۔

عوام جو کہ ۹۰ فیصد آبادی پر مشتمل ہیں اور جن میں مزدور کسان، طالب علم اور وہ تمام عناصر حلقے شامل ہیں جو سامراج کے دباؤ کو تسلیم نہیں کرتے، لازمی طور پر انقلاب برپا کریں گے۔ امریکی سامراج اور اس کے تمام پالتو کتوں کو شکست دینے کے لئے یہ لازمی ہے کہ ان تمام طاقتوں کا جو متحد کی جا سکتی ہیں ایک وسیع تر متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ انقلاب برپا کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ انقلابی عوام



پیرس میں پیرے لاشائز قبرستان میں کمیون کے ہیروز کی یادگار "دیوار کمیونارڈز"

پر براہ راست بھروسہ کیا جائے۔

پیرس کمیون کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ تاریخی حالات کے سبب، ابھی سوشلزم کے نظریے نے مزدور تحریک میں غالب حیثیت حاصل نہیں کی تھی اور اس کی رہنمائی کے لئے ایک صحیح سوشلسٹ پارٹی ابھی وجود میں نہیں آئی تھی۔ اس کے برعکس بلانقی ازم[1] اور پرودھون ازم[2] جو اس وقت پیرس کمیون میں غالب حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے لئے مزدور انقلاب کو فتح تک لے جانا ممکن نہ تھا۔

پہلی عالمی جنگ کے دوران دنیا کے بہت سے ممالک میں انقلابی صورتحال ابھری لیکن دوسری انٹرنیشنل کی تقریباً سب ہی جماعتیں ترمیم پسند، یا جارحانہ قوم پرست پارٹیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ان کے لئے یہ قطعی ناممکن تھا کہ وہ اس انقلابی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے محنت کشوں کے سیاسی اقتدار کے قیام کے لئے رہنمایانہ کردار ادا کرتیں۔ لیکن اسی دوران لینن و اسٹالن کی رہنمائی میں صرف سوویت یونین میں محنت کشوں کا عظیم الشان اشتراکی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد چین میں عوامی جمہوریت کی جدوجہد کامیاب ہوئی۔ چند دوسرے ممالک میں بھی انقلاب کامیاب ہوا اور انقلابی تحریکوں میں شدت اور تیزی پیدا ہوگئی۔ لیکن چند ممالک میں انقلاب کو ناکامی ہوئی کیونکہ تحریک کے قائدین کی بیشتر تعداد موقع پرستی یا ترمیم پسندی کا شکار ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح خطوط پر چلنے والی کمزور تحریک ایک طاقتور تحریک میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

معاشرے میں طبقاتی رشتوں کا مطالعہ کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ مختلف نکتہ ہائے نظر اور طریقوں کے بارے میں تفصیلی تحقیق و تفتیش کی جائے موجودہ حالات کا ٹھوس تجزیہ کیا جائے اور ملک کی تاریخ اور اس ملک میں انقلاب کی خصوصیات کا مطالعہ کرکے انقلاب کے نظریاتی اور عملی مسائل کو آزادانہ طور پر حل کیا جائے بین الاقوامی تجربات سے سیکھنا ضروری ہے لیکن ان تجربات کی میکانکی انداز میں کاربن کاپی نہیں کی جاسکتی ایک ملک کے انقلابی خود اپنے ملک کے حالات کی روشنی میں اپنے تجربات کو ترقی دیں گے۔ صرف اسی صورت میں وہ انقلاب میں فتح حاصل کرنے کے لئے رہنمائی کرسکتے ہیں اور عالمگیر عوامی جمہوری انقلاب کے مقصد میں اپنا فرض پورا کرسکتے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب دنیا کے انقلابی عوام پیرس کمیون کی عظیم صد سالہ تقریب منا رہے ہیں تو سوویت ترمیم پسند غدار حکمران ٹولہ ڈرامہ رچا رہا ہے۔ اور نہایت ڈھٹائی سے "پیرس کمیون کے اصولوں سے وفاداری" کا اقرار کرکے یہ ظاہر کررہا ہے کہ اس نے پیرس کمیون کی تقلید کرتے ہوئے کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ سوویت ترمیم پسندوں کی بے شرمی کی یہ انتہائی حد ہے۔

سوویت ترمیم پسند غداروں کو پیرس کمیون کے متعلق بولنے کا کیا حق ہے؟ یہ وہی غدار ہیں جنہوں نے سوویت اقتدار پر قبضہ کرکے محنت کشوں کی حکومت کو سرمایہ داری کی حکومت میں تبدیل کردیا ہے۔ انہوں نے سوشل سامراج اور سوشل فاشزم کو اپنالیا ہے۔ یہ پیرس کمیون کے انقلابی اصولوں سے کھلا انحراف ہے۔ یہ گروہ اپنے "پرامن عبور" کے فلسفے کو تقویت دینے کے لئے تاریخ کو ڈھٹائی سے توڑ مروڑ رہا ہے۔ اور یہاں تک کہہ رہا ہے کہ پیرس کمیون "ابتدا" میں "تقریباً مکمل طور پر پرامن انقلاب تھا"۔

پیرس کمیون کا انقلاب اپنی ابتدا سے انتہا تک سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان زندگی اور موت کی خونی جنگ تھا۔ یہ انقلاب و انقلاب دشمنی کے مابین کھلی جنگ تھا۔ اس مسلح یلغار کے دوران ہزاروں مسلح افراد نے اپنی اپنی زندگیاں انقلاب پر قربان کردیں۔ اب ترمیم پسندوں کی طرف سے پیرس کمیون کو مکمل طور پر پرامن کہنا کمیون کے شہدا کی شرمناک توہین ہے۔

سوویت ترمیم پسند غدار انقلاب دشمن کاروائیوں کو ایک ہزار ایک مرتبہ جائز بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہ انقلابی کاروائیوں کی لاتعداد طریقوں سے مخالفت کرتے ہیں۔ سامراجیوں اور رجعت پرستوں کی حکومتوں کے تشدد سے لاتعداد افراد روزانہ ہر گھنٹے۔ نہ ختم ہونے والی تکالیف اور مصیبتوں میں مبتلا ہوکر مرجاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ عوام کو کھانے والے اس نظام اور استحصال کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے تاکہ عوام غلامی سے نجات حاصل کرسکیں۔

> محنت کشوں کا پیرس اپنے کمیون کے ساتھ ایک نئے سماج کے عالی شان نقیب کی حیثیت سے ہمیشہ نمایاں کردار ادا کرتا رہے گا۔ اس کے شہدا مزدور طبقے کے عظیم دلوں میں گھر کر چکے ہیں
>
> کارل مارکس "فرانس کی سول وار"

روسی ترمیم پسندو!

کیا ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ

یہ کونسا امن ہے کہ تم اپنے ملک میں مختلف قومیتوں کو کچلنے کے لئے لاتعداد مسلح افواج اور پولیس روانہ کرتے ہو،

یہ کونسا امن ہے کہ چند مشرقی یورپی ممالک اور عوامی جمہوریہ منگولیا میں تمہارے بے شمار فوجی موجود ہیں، جن کے ذریعے تم نے ان ممالک پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی ہے تم نے چیکوسلواکیہ پر فوجی تسلط قائم کر رکھا ہے اور تم پراگ کی سڑکوں پر اپنے ٹینکوں کو گھماتے ہو تاکہ عوام کو دبایا اور خوفزدہ کیا جاسکے پیرس کمیون کے انقلابی اصولوں سے انحراف کرنے والے خروشیف کا تختہ الٹا جاچکا ہے اور خروشیف کی ترمیم پسندی کی راہ اختیار کرنے والے نووٹنی اور گومولکا کے اقتدار کا خاتمہ بھی کیا جاچکا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جو بھی تاریخ کے دھارے کی مخالفت کرتا ہے اور پیرس کمیون کے انقلابی اصولوں سے غداری کرتا ہے اس کا انجام عبرتناک ہوگا۔

پیرس کمیون نے بین الاقوامیت کا پرچم سربلند کیا تھا۔ سرمایہ دار ملکوں کے محنت کش نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ممالک کے عوام کی آزادی کی جدوجہد کی حمایت کررہے ہیں اور نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ممالک کے عوام سرمایہ دار ملکوں کے عوام کی آزادی کی حمایت کررہے ہیں لہذا وہ عوام جو اپنے انقلاب میں فتح حاصل کرچکے ہیں وہ آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والے عوام الناس کی حمایت کررہے ہیں۔ یہی بین الاقوامیت کا اصول ہے۔

پیرس کمیون کے شاعر یوجین پوٹیر کا لکھا ہوا محنت کشوں کا بین الاقوامی ترانہ انٹرنیشنل آج ساری دنیا میں گونج رہا ہے۔ "روایات کی زنجیریں ہمیں مزید قید نہیں رکھ سکتیں" "ہم سب ایک ہوں گے، جو جہاں موجود ہے وہ اٹھ کھڑا ہو۔" "بین الاقوامیت انسانی برادری ہوگی" "آؤ ہم سب مل کر سامراجیوں، سوشل سامراجیوں، اور تمام رجعت پرستوں کو عظیم عوامی انقلاب کے سیلاب میں بہادیں۔ محنت کش طبقے کے پاس غلامی کی زنجیروں کے سوا کھونے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ جب کہ ان کے جیتنے کے لئے ساری دنیا پڑی ہے"

---

[1] لوئی بلانک (۱۸۸۲ – ۱۸۱۱) فرانسیسی پیٹی بورژوا سوشلسٹ اور مورخ۔ انقلاب فرانس کے دوران اس کے نظریات کو بلانقی ازم کا نام دیا گیا ہے۔

[2] پیئر ژوزیف پرودھون (۱۸۶۵ – ۱۸۰۹) فرانسیسی صحافی، ماہر معاشیات و سماجیات، پیٹی بورژوازی کا نظریہ داں اور انارکزم کے بانیوں میں سے ایک۔ پرودھون ازم سے اس کے انارکسٹ نظریات مراد ہیں۔

بھارتی توسیع پسند کیا کرنا چاہتے ہیں ؟

پاکستان کے حالیہ بحران پر چینی جریدے پیکنگ ریویو کا تبصرہ

بھارتی حکومت نے پاکستان کی حکومت کے شدید احتجاجات کے باوجود کچھ عرصے سے پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت کرنے کی کوششوں کو دوچند کر دیا ہے ۔ بھارتی حکومت کے اس متکبرانہ اقدام نے تمام انصاف پسند ممالک کے غصے و برہمی کو ابھارا ہے ۔

صدر یحییٰ نے پاکستان کی موجودہ صورتحال کے ضمن میں جو متعلقہ اقدامات کئے ہیں وہ پاکستان کا داخلی معاملہ ہیں جن میں کسی ملک کو مداخلت نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ہی کسی کو اس کا حق ہے لیکن بھارتی رجعت پسندوں نے پاکستان کے داخلی معاملات میں نہایت تیز رفتاری سے کھلم کھلا مداخلت کی ہے ۔ بھارتی حکومت کی چند ممتاز شخصیتوں ، وزیراعظم ، وزیر خارجہ سے لے کر پارلیمنٹ کے اراکین اور ریاستوں کے وزرائے اعلےٰ نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں متشددِ مداخلت کرنے کے لئے شور و غل مچا رکھا ہے ۔ بھارتی پارلیمنٹ اور بھارتی نیشنل کانگریس نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے کھلم کھلا قراردادوں پر بحث کی اور انہیں منظور کیا ۔ بھارتی حکومت دو بڑی طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے بین الاقوامی مداخلت کی سازش میں بے حد مصروف تھی ۔ اسی دوران ، بھارتی رجعت پسند اپنی تمام پروپیگنڈا مشینری کو پاکستان دشمن جارحانہ قوم پرستی کے جذبات بھڑکانے کے لئے حرکت میں لے آئے ہیں ۔ یہ تمام وحشیانہ اقدامات ، بھارتی رجعت پسندوں کے توسیع پسند عزائم کو بے نقاب کرنے کی ایک نئی مثال ہیں ۔

اپنے ایک پڑوسی ملک کے اندرونی معاملات میں خواہ مخواہ مداخلت کرنے کے لئے جواز پیش کرتے ہوئے بھارتی رجعت پسند اصرار کر رہے ہیں کہ پاکستان کی اندرونی صورتحال میں تبدیلیوں سے " بھارت کی اپنی سلامتی کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے " ۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا پاکستان بھارت کی سلامتی کے لئے " خطرہ " ہے یا بھارتی توسیع پسند پاکستان کی سلامتی کے لئے خطرہ بنے ہوتے ہیں ۔ جب بھارتی رجعت پسند پاکستان کی صورتحال کے متعلق اشتعال انگیز بیانات دے رہے تھے تب بھارتی حکومت نے مشرقی پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ اپنی افواج مجتمع کر دیں اور سادہ لباس میں مسلح افراد کو پاکستان کے علاقے میں گھسا دیا تاکہ وہ وہاں افراتفری اور خوف و ہراس پھیلائیں ۔ کیا یہ اعلانیہ فوجی دھمکی پاکستان کی سلامتی کے لئے خطرہ نہیں ہے ؟

بھارتی رجعت پسند یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ " جغرافیائی صورتحال نے یہ ناممکن بنا دیا ہے " کہ بھارت پاکستان کے حالات کا اس سادہ طریقے سے مشاہدہ کرے کہ یہ پاکستان کا داخلی معاملہ ہے ۔ یہ دلیل انتہائی بیہودہ ہے ۔ جغرافیہ کے ایک خاص مقام پر ہر ملک کے پڑوسی ہوتے ہیں ۔ اگر بھارتی توسیع پسندوں کے اس " نظریئے " کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ ممالک جو توسیع پسند اور جارحانہ عزائم رکھتے ہیں ، اپنے پڑوسی ملکوں کے اندرونی معاملات میں جغرافیائی وجوہات کی بنیاد پر دیدہ و دانستہ مداخلت کر سکتے ہیں ایسے حالات کے تحت کیا قوموں کے درمیان تعلقات معمول پر رہ سکتے ہیں ؟

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ دو بڑی طاقتوں نے ، بھارتی رجعت پسندوں کے ساتھ باہمی تعاون کرتے ہوئے بھونڈے طریقے سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی ہے ۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ایک بیان جاری کر کے پاکستان کے اندرونی معاملات میں اپنی ٹانگ اڑا دی ہے ۔ جب کہ روسی حکومت نے اس سے بھی زیادہ شرمناک اقدام کیا ہے ۔ سوویت یونین کی سپریم سوویت کی پریسیڈیم کے صدر پوڈگورنی نے صدر یحییٰ خاں کو بھیجے گئے ایک پیغام میں ، بھارتی رجعت پسندوں کی طرف سے پاکستان کو دی جانے والی دھمکیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کے برعکس بے غیرتی سے پاکستانی حکومت پر نکتہ چینی کی ہے ۔ اور خود کو " دوست " ظاہر کرتے ہوئے مکاری کے ساتھ " پاکستان کے عوام کے مفادات " پر تشویش کا اظہار کیا ہے ۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں اگر ایک ملک کی آزادی ، خود مختاری اتحاد و علاقائی سالمیت میں مداخلت کی جائے تو عوام کا مفاد کہاں باقی رہ جاتا ہے ؟ سوویت یونین جو کچھ چیکوسلواکیہ میں کر چکا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس امر کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے کہ روسی رہنما کس کی حمایت کرتے ہیں ، کس کی مخالفت کرتے ہیں اور ہر حال میں وہ کس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ نے نشاندہی کی ہے ۔

" ہم اس امر کی پرزور تائید کرتے ہیں کہ تمام اقوام کو باہمی احترام کے پانچ اصولوں کے تحت ، خود مختاری اور علاقائی سالمیت ، عدم جارحیت اور ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت ، مساوات ، باہمی مفاد اور پرامن بقائے باہم پر عمل کرنا چاہیئے " ۔

یہ مختلف قوموں کے درمیان تعلقات کو درست رکھنے کی کسوٹی ہے ۔ کوئی بھی ملک جو اپنے در پردہ عزائم کو حاصل کرنے کے لئے دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا ہے ۔ اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو گا ۔

پاکستان کے عوام سامراج اور نوآبادیاتی نظام کی مخالفت کرتے ہیں انقلابی روایات کے حامل ہیں اور بیرونی مداخلت اور جارحیت کے خلاف شاندار جدوجہد کر چکے ہیں ۔ چینی حکومت اور عوام ہمیشہ کی طرح پاکستانی حکومت اور عوام کی قومی آزادی کو برقرار رکھنے ، ریاستی خود مختاری ، بیرونی جارحیت اور مداخلت کے خلاف کی جانے والی منصفانہ جدوجہد کی ہمیشہ حمایت کرتے رہیں گے ۔

صدر یحییٰ کے نام

روسی صدر پوڈگورنی کا پیغام

صدر یحییٰ کے نام روسی صدر پوڈگورنی کے پیغام کا پورا متن پاکستانی پریس میں شائع نہیں ہوا تھا۔ ہم ذیل میں اس پیغام کا پورا متن پیش کر رہے ہیں۔ اس آئینے میں روسی سوشل سامراج کے سامراجی عزائم پوری طرح نمایاں ہیں۔ اس پیغام میں سی آئی اے کی اس سازش کو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ نظر انداز کر دیا گیا ہے جو کہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھارت کے لئے لقمۂ تر بنانے کیلئے مجیب الرحمٰن، کالعدم عوامی لیگ اور پاکستان کے کمپرادار نوکرشاہی سرمایہ داروں کے ذریعہ عمل میں لائی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس پیغام میں پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارتی مداخلت کے سلسلے میں بھی کوئی لفظ نہیں کہا گیا ہے۔ پیغام میں روسی صدر پوڈگورنی نے انسانیت کے نام پر مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی اور خونریزی کی دہائی تو دی ہے مگر ان انسانیت سوز اور وحشیانہ مظالم کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے جو نام نہاد "بنگلہ دیش" کی آزادی کے نام پر ہٹلر کے فاشی طرز پر چلائی جانیوالی تحریک میں ہزاروں بے گناہ مزدوروں، عورتوں، حتیٰ کہ معصوم بچوں تک پر توڑے گئے جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ بنگال کی زمین سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔

قارئین اس پیغام کو پڑھ کر یہ اندازہ لگائیں کہ پاکستان کے حالیہ بحران کے سلسلے میں امریکی سامراج، روسی سوشل سامراج اور بھارتی توسیع پسندوں کی آواز میں کتنی حیرت انگیز مماثلت ہے۔

(ادارہ)

سوویت یونین کی خبررساں ایجنسی تاس نے سوویت یونین کی سپریم سوویت کے پریسیڈیم کے صدر این پوڈگورنی کا وہ پیغام جو انہوں نے پاکستان کے صدر یحییٰ خاں کو بھیجا تھا، ۳ اپریل کو اشاعت کے لئے جاری کیا۔ پیغام یہ ہے۔

"یہ اطلاع کہ ڈھاکہ میں بات چیت ناکام ہو گئی ہے اور فوجی انتظامیہ نے حالات سے نمٹنے کے لئے مشرقی پاکستان کی آبادی کے خلاف مسلح طاقت کے استعمال اور انتہائی اقدامات کرنے کو مناسب سمجھا ہے، سوویت یونین کے لئے زبردست بے چینی کا سبب ہے۔

"سوویت عوام، پاکستان کے عوام کی کثیر تعداد میں ہلاکت، اذیت اور تنگدستی سے جو کہ اس قسم کے واقعات کا نتیجہ ہوتی ہے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ سوویت یونین، ایم رحمان (اس سے مراد شیخ مجیب الرحمان ہے۔ ادارہ) اور دوسرے سیاستدانوں جنہیں حالیہ عام انتخابات میں مشرقی پاکستان کی آبادی کی کثیر اکثریت کی مؤثر حمایت حاصل ہوئی ہے، کی گرفتاریوں اور انہیں اذیت پہنچانے پر بھی تشویش پائی جاتی ہے۔ سوویت عوام ہمیشہ خلوص کے ساتھ پاکستانی عوام کی بہتری اور ان کے پھلنے پھولنے کے خواہشمند اور ان کے ملک کو درپیش پیچیدہ مسائل کو جمہوری طریقے سے حل کرنے میں کامیاب ہونے پر خوش ہوئے ہیں۔

"موجودہ دنوں میں پاکستانی عوام کو جو امتحان درپیش ہے اس کے متعلق ہم دوستوں کی حیثیت سے چند الفاظ کہنا چاہتے ہیں۔ ہم اس سے متفق تھے اور ہیں کہ پیچیدہ مسائل جو پاکستان میں ابھر آئے ہیں ان کو بغیر قوت کے استعمال کے، سیاسی طور پر حل کیا جا سکتا ہے اور لازماً کرنا چاہیئے۔ مشرقی پاکستان میں خونریزی اور متشددانہ اقدامات کا تسلسل بلاشک وشبہ مسائل کے حل کو اور زیادہ مشکل بنا دے گا اور اس سے تمام پاکستانی عوام کے اہم ترین مفادات کو بھی بہت زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔

"جناب صدر، یو ایس ایس آر کی سپریم سوویت کی پریسیڈیم کی جانب سے ہم یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو لکھیں اور اصرار کے ساتھ اپیل کریں کہ مشرقی پاکستان کی آبادی کی خونریزی اور ان پر جبر کو ختم کرنے کے لئے فوری طور پر اقدامات کئے جائیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ پاکستان کے سارے عوام کے مفاد میں ہوگا اور اس سے علاقے میں امن برقرار رکھنے کے مفادات کی تکمیل ہوگی۔

"وہ مسائل جو پیدا ہو گئے ہیں ان کا ایک پرامن سیاسی تصفیہ، سوویت عوام کے لئے اطمینان کا باعث ہوگا۔

"آپ سے اپیل کرنے کے لئے ہمارے محرکات عمومی طور پر تسلیم شدہ انسان دوستی اور بین الاقوامی اعلان کے تحت انسانی حقوق کے اصول اور پاکستان کے دوست عوام کی بہتری ہے۔

"جناب صدر، ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ان مقاصد کو درست طور پر سمجھیں گے جن کے پیش نظر ہم یہ اپیل کر رہے ہیں۔ یہ ہماری پرخلوص خواہش ہے کہ مشرقی پاکستان میں امن اور انصاف کم سے کم وقت میں قائم ہو جائے۔"

پروفیسر رشید احمد خاں

پاکستان اور بھارت کے بارے میں

چین اور روس کی پالیسی

مشرقی پاکستان میں موجودہ حالات کے پیدا ہونے کے چند دن بعد روس کے صدر پوڈگورنی نے پاکستان کے صدر آغا محمد یحییٰ خاں کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ اس پیغام میں روس کے صدر نے پاکستان کے مشرقی حصے میں فوجی کارروائی اور شیخ مجیب الرحمان کی گرفتاری پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پاکستان پر زور دیا تھا کہ وہ موجودہ اقدامات کو روک دے۔ جیسا کہ روسی صدر کے پیغام کے جواب میں صدر پاکستان یحییٰ خان کے پیغام اور پاکستان کے تقریباً تمام سیاسی حلقوں کی طرف سے ردعمل سے ظاہر ہے۔ روسی حکومت کا مذکورہ بیان پاکستان کے اندرونی معاملات میں صریح مداخلت ہے۔ لیکن اس پیغام کا یہی ایک پہلو نہیں ہے۔ روسی پیغام کے لب ولہجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ روس امریکہ اور بھارت مجیب الرحمان کے ذریعے جس سازش کو کامیاب بنانا چاہتے تھے اس کی ناکامی پر روس کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس کا پیغام اسی بوکھلاہٹ کا نتیجہ ہے۔ اس مرحلہ پر بھارت، روس اور امریکہ کی پوزیشن ایک جیسی ہے۔ بی بی سی نے حکومت پاکستان کے نام اس روسی پیغام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ روس نے یہ پیغام بھارتی دباؤ کے تحت بھیجا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خاص عرصے سے برصغیر کے بارے میں روس کی پالیسی کا ایک پہلو بھارت کی خوشنودی کا حصول رہا ہے لیکن پاکستان اور بھارت کے متعلق روسی خارجہ پالیسی کی یہی ایک بنیاد نہیں بلکہ اس کی اصل خود روس کے اندر پیدا ہونیوالی تبدیلیاں اور ان تبدیلیوں کے نتیجے میں بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک، سوشلسٹ ممالک، مغربی سرمایہ دار قوموں اور تیسری دنیا کے پسماندہ اور غریب ممالک کے بارے میں نئی روسی پالیسی ہے۔ پاکستان اور بھارت کے متعلق روسی پالیسی روس کی عالمی پالیسی کا ایک حصہ ہے۔ پاکستان اور بھارت کے باہمی تعلقات اور ان دونوں ممالک کے مسائل اور اندرونی وبیرونی پالیسیوں کو بھی روس اسی رنگ میں دیکھتا ہے۔ جس رنگ میں اس کی عالمی پالیسی تشکیل پاتی ہے۔

چینی پالیسی اور روسی پالیسی میں بنیادی فرق ہے اس کی وجہ وہی ہے جو عالمی سطح پر چینی اور روسی پالیسیوں کے درمیان اختلاف کی بنیاد ہے۔ چینی پالیسی سے متضاد یہی روسی پالیسی ہے جسے سوشل سامراج کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی سوشل سامراج نے کب اور کن بنیادوں پر جنم لیا اور دنیا کے مختلف ممالک بشمول پاکستان وبھارت میں کن عناصر نے کن بنیادوں پر اس سے گٹھ جوڑ کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ مغربی سرمایہ دار دنیا میں سب سے طاقتور ملک کی حیثیت سے ابھرا تھا۔ جرمنی اور جاپان کی شکست برطانیہ اور فرانس جیسی نوآبادیاتی طاقتوں کے کمزور ہونے اور دو عالمی جنگوں میں ہتھیاروں کی تجارت سے بے پناہ فائدہ اٹھانے کی بناء پر امریکہ کی معاشی اور جنگی صلاحیت بہت بڑھ چکی تھی۔ اور ایٹم بم کے ہاتھ میں آجانے کے بعد اس کی توسیع پسندی اور جارحیت پر آمادگی کے رجحان نے اور شدت پکڑ لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین اور دیگر امن پسند ممالک کے خلاف امریکہ بھرپور جنگ کی دھمکیاں دیا کرتا تھا۔ ڈلس کی وزارت خارجہ کے دوران تو عالمی جنگ کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا۔ کیونکہ امریکی حکومت نے اعلان کر رکھا تھا کہ روس یا کسی سامراج دشمن ملک کی طرف سے ذرا سی حرکت کا جواب ایٹمی حملہ ہوگا۔ اس زمانے میں سوشلسٹ کیمپ اور سامراج کے خلاف جدوجہد کرنیوالے اکثر ممالک اور قوموں کی عسکری طاقت امریکہ اور اس کے حواری یورپین ممالک سے کم تھی۔

سوویت یونین نے امریکہ سے آٹھ برس بعد ایٹم بم کا دھماکہ کیا تھا۔ چین میں تعمیر نو اور استحکام کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا تھا اور دنیا میں سامراج دشمن تحاریک کا دائرہ ابھی اتنا وسیع نہیں ہوا تھا کہ امریکی سامراج کو منہ توڑ جواب دیا جا سکتا۔ یا اس کی جارحانہ قوت اس قدر منتشر ہوتی جتنی کہ اب ہے۔ چنانچہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے سوویت یونین نے ایسی حکمت عملی اختیار کی تھی جس میں زیادہ سے زیادہ وسیع سامراج دشمن محاذ تشکیل پا سکتا ہو۔ اس محاذ میں سوشلسٹ کیمپ کے ممالک نوآبادیاتی تسلط کے خلاف جدوجہد کرنیوالی تحریکوں کے علاوہ ایسے ممالک بھی شامل تھے جنھوں نے قوم پرست بورژوا قیادت کے تحت نئی نئی قومی آزادی حاصل کی تھی۔ ان ممالک کو سامراج دشمن محاذ میں شامل کرنے اور ان کی قومی آزادی کی تحریک کی حمایت کرنے کی دو وجوہات تھیں۔ اولاً یہ کہ ان ممالک کا نوآبادیاتی تسلط سے آزاد ہو کر قومی آزادی حاصل کرنا نوآبادیاتی نظام کے سلسلے کی ایک کڑی کی شکست اور سامراج کے ایک حلیف پر ضرب کاری تھی۔ یہ حقیقت خود سامراج دشمن جدوجہد کے لئے تقویت کا باعث بنی تھی۔ ثانیاً ان نوآزاد ممالک کی قومی بورژوا قیادت ابھی سامراج اور نئے نوآبادیاتی نظام کے علمبردار امریکہ کی پوری طرح غلام نہیں بنی تھی۔ ابھی امریکی قرضوں کا پھندا اس کی گردن میں نہیں پڑا تھا۔ اور ابھی اسی قیادت نے جمہوری انقلاب سے غداری نہیں کی تھی۔ ابھی یہ قومی سرمایہ دار گماشتہ سرمایہ دار میں تبدیل نہیں ہوا تھا یا گماشتہ سرمایہ دار قومی سرمایہ دار پر حاوی نہیں ہوا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں اسی قیادت نے ملک کو سامراج کے ہاتھ ابھی نہیں بیچا تھا۔ لیکن وہ قیادت جس نے مکمل قومی آزادی اور جمہوری انقلاب کا نعرہ دے کر کروڑوں مزدوروں اور کسانوں کو اپنے ساتھ ملاکر اقتدار حاصل کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اپنے کیریکٹر بدلنے لگی۔

جمہوری انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی بجائے اس سے دستبرداری اختیار کی ملک کو سامراج کے ہاتھ بیچ دیا اور خود اس کے ایجنٹ بن گئے۔ اب یہ قیادت سامراج کے ہاتھ میں مکمل کھلونا بن گئی۔ اس کی اندرونی اور بیرونی پالیسیاں سامراجی اشاروں پر تکمیل پانے لگیں۔ اور عوام کی نظروں میں ان کی حیثیت سامراج کے ساتھی کے سوا اور کچھ نہ رہی۔ اس بناء پر بعض پرانی قومی قیادت کے نئے کردار کی بنیاد پر اس کے متعلق رویے میں تبدیلی ناگزیر تھی ہے۔ اب یہ قیادت سامراج کی مکمل غلام ہونے کی حیثیت میں سامراج دشمنی کے کردار کی حامل نہیں رہی اور سامراج کے خلاف جنگ میں مدد نہیں کر سکتی۔ اس نے جمہوری انقلاب سے روگردانی کر کے اور عوام کے مفادات کو سامراجی مفادات کی بھینٹ چڑھا کر غداری کا ثبوت دیا ہے۔ اور اس کے خلاف جدوجہد دراصل سامراج دشمن جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ لیکن روس نے خصوصاً جب سے خروشچیف نے اقتدار سنبھالا تھا وہ پرانی پالیسی اختیار کئے رکھی۔ اور سامراج نواز نئے کردار کی حامل قیادت کو بدستور عوامی رہنمائی کی سند دے رکھی۔ روس کی اس غیر جدلیاتی اور انقلاب دشمن پالیسی کی بنیاد بتانے سے پہلے یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ نوآزاد ممالک میں جن ترقی پسند حلقوں اور کمیونسٹ پارٹیوں نے شروع میں سامراج دشمن وسیع حکمت عملی کے تحت قومی سرمایہ دارانہ قیادت کی حمایت کی تھی۔ انہوں نے اسی قیادت کے نئے

(باقی ص۲۹ پر)

نکسل پارٹی پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں

سرمایہ داروں کے ترجمان اخبار "ڈان" کراچی نے اپنے نامہ نگار مقیم لندن جناب نسیم احمد کے حوالے سے ۲۶ اپریل کو صفحہ اوّل پر ایک خبر شائع کی ہے جس کے مطابق بھارت کے نکسل باڑی کسانوں نے نام نہاد بنگلہ دیش تحریک کو سامراجی سازش قرار دیا ہے اور اس مضمون کے پوسٹر کلکتے کے گلی بازاروں میں لگائے ہیں۔ نکسل باڑیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ جماعتی طور پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ڈٹ کر مخالفت کریں گے۔ اسی خبر میں بتایا گیا ہے کہ سابق بھاشانی نیپ کے رہنما جناب محمد طٰحٰہ نے نام نہاد بنگلہ دیش کی پاکستان دشمن تحریک سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے ان کا موقف یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کا مغربی پاکستان کے عوام سے کوئی تضاد نہیں، بلکہ ان کا تضاد پاکستان کے جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ استحصالی نظام سے ہے۔

یہی خبر کراچی کے اسلام پسند اخبار "جنگ" نے ۲۷ اپریل کی اشاعت میں صفحہ ۳ پر شائع کی ہے۔ "جنگ" کی پالیسی سے آپ واقف ہیں۔ اس کے مالک کراچی میں مہاجرین کی الگ قومیت کو زندہ رکھنے اور پاکستان میں امریکی مفادات اور طرزِ تجارت کی حفاظت کو فلاح دارین کا راز جانتے ہیں۔ پھر ان سے کمتر دوسرے نظریہ فروشں اخبارات ہیں جو معمولی مفادات پر فروعی اختلافات کے باوجود عموماً ان ہی دونوں اخباروں کا لیس خوردہ فروش ہیں۔ ایک بات ان میں واحد ہے یعنی پاکستان کے عوام سے لاتعلقی اور پاکستان کے تاریخی تقاضوں سے بے خبری اور یہ رویّہ ان کی مہمات میں کبھی ڈھکا چھپا نہیں رہا۔ اگر ان اخباروں نے نکسلی پارٹیوں کے بارے میں یہ خبریں دی ہیں تو ظاہر ہے کہ مجبوری کی صورت میں دی ہیں۔ خوشی سے نہیں دیں۔ لیکن حقیقت کو کوئی کب تک چھپا سکتا ہے۔

چھ اپریل کے لندن ٹائمز میں الملندو داس گپتا نے لکھا ہے کہ مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کے کسانوں میں متحدہ اور آزاد بنگال کی تحریک اُبھرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مغربی بنگال کے نکسل باڑی اپنے صوبے میں بھارتی پولیس کو ایک ایسی طاقت سمجھتے ہیں جسے دہلی کے فاتحین نے بنگالی نوآبادی کو قبضے میں رکھنے کے لئے قائم کر رکھا ہے۔ وہ متحدہ بنگال کے تصوّر کے سخت خلاف ہیں اور مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیحدگی کی کبھی حمایت نہیں کریں گے۔ یہی بات اب نسیم احمد نے ڈان میں لکھی ہے جسے جنگ نے بھی دبا چھپا کر چھاپ دیا ہے۔

مغربی بنگال کے نکسل باڑی کسان بھارت میں حق و صداقت کی ایک آواز ہیں۔ پاک بھارت تنازعات میں پاکستان کے مؤقف کو برحق سمجھتے ہیں اور برملا اس کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے حامی ہیں اور بھارت کو غاصب جانتے ہیں۔ اعلان تاشقند ان کے نزدیک ایک سامراجی سازش ہے۔ ان کا جھگڑا بھارت کی عوام دشمن جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ نوکر شاہی اور سامراجی حکومت سے ہے جو ہمسایہ ممالک کے لئے مستقل خطرہ بنی ہوئی ہے۔ وہ اس کے ڈھانچے کو انقلابی تشدد سے توڑنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے لئے ان کے دل میں حق و انصاف اور تسلیم و رضا کے سوا کوئی جذبہ نہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ بھارت مشرقی پاکستان میں مسلح افواج بھیجے۔ وہ مغربی بنگال میں اندرا اور سورن سنگھ کی جارحانہ کارروائیوں کی مزاحمت کر رہے ہیں۔

ستم کی بات یہ ہے کہ ہمارے اخبارات میں ایک مدّت سے ان کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے۔ اسلام پسند اخبارات نے ان کو عوامی لیگ کی غدّاری میں خواہ مخواہ ملوث کرنے کی کوشش کی۔ اصل بات اتنی ہے کہ ان اخبارات کے مالکوں کو پسند نہیں کہ بھارت

میں بھی سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام شکست کھائے کیونکہ اس سے پاکستان کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے پھیلے ہوئے رشتے خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ پاکستان میں مراعات یافتہ طبقوں اور ان کے دلال روسی ترمیم پسندوں نے ہمیشہ بھارت سے کنفیڈریشن بنانے اور عالمی سیاست میں چین کے خلاف فوجی اتحاد کرنے کی درپردہ اور کھلم کھلا کوششیں کی ہیں۔ بھارت کے سرمایہ دار پاکستان کے سرمایہ داروں سے اتحاد چاہتے ہیں۔ مگر پاکستان کو کمزور کرنے کے بعد تاکہ بھارتی سنڈیکیٹ اور بینک من مانی کر سکیں۔ پاکستانی اور بھارتی سرمایہ دار دونوں ملکوں میں ہر ایسی تحریک کی مخالفت کرتے ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کے لئے خطرے کا باعث ہو کیونکہ اس طرح ان کے زیادہ دولت کمانے کے خواب چکنا چور ہوتے ہیں۔

لندن ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق محمد طٰحٰہ صاحب نے نام نہاد بنگلہ دیش کی پاکستان دشمن تحریک کی جو مخالفت کی ہے ہمیں اس کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ یہ بڑی خوش آیند بات ہے کہ مشرقی پاکستان کے سوشلسٹ حلقے اس مسئلے پر اتنی واشگاف قوم پرستانہ رائے رکھتے ہیں۔ بے شک شیخ مجیب اور ان کی پارٹی نے الیکشن جیت لیا تھا لیکن ان کے پاس عوام کے مسائل کے حل کے لئے کوئی اقتصادی پروگرام نہ تھا اور ایک سوشلسٹ معیشت ہی مشرقی پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر وہاں ایسی قیادت پیدا ہو جائے جو قوم پرست بھی ہو، وطن دوست بھی ہو اور ساتھ ہی سوشلسٹ بھی ہو تو یہ بڑی مبارک بات ہوگی۔ ہمیں امید ہے جہاں عوامی لیگ سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی مجیب سے برأت کا اظہار کر کے سامنے آئیں گے وہاں سوشلسٹ قیادت بھی سامنے آئے گی۔ اور پھر ایک وقت آئیگا کہ سوشلزم کے مشترکہ پروگرام کے تحت پورا پاکستان شاندار ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیگا۔

بقیہ چین اور روس کی پالیسی

کردار کے بعد بھی اسی کی تائید و حمایت جاری رکھی۔

اسی قیادت کو عوامی رہنمائی کا درجہ دیا گیا۔ اسی کے اقتدار کو جو کہ انقلاب سے صریح غداری اور سامراج کے ہاتھوں صاف بکنا تھا۔ قومی جمہوری انقلاب کی تکمیل سمجھا گیا۔ اور اسی کی اندرونی و بیرونی پالیسی کی غیر مشروط حمایت کی گئی۔ جب ہم ان ممالک کی قیادت کے بارے میں روس کی موجودہ پالیسی کی بنیاد کا ذکر کریں گے۔ تو اس کے ساتھ ان ممالک میں ترقی پسند اور کمیونسٹ حلقوں کی روس نوازی کا سبب بھی منظر عام پر لایا جا سکے گا۔

سٹالن کی وفات کے بعد سامراج کے ساتھ روس کی سمجھوتہ باز پالیسی کا بنیادی سبب روس میں ایک ایسے طبقے کا برسر اقتدار آجانا تھا جو منیجروں، تکنیکی ماہرین سائنسی اور ادبی دانشوروں اور دوسرے اہم پیشہ وروں پر مشتمل ہے۔ اس طبقے کی خاصیت نہ صرف یہ ہے کہ اس کے مفادات محنت کش طبقے سے متصادم ہیں بلکہ ان کے مفادات میں بیرونی تجارت، لین دین، اسلحہ کی فروخت اور "بیرونی امداد" کی صورت میں دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری سے اضافہ ہوتا ہے، اس لئے روس کی موجودہ قیادت کی جانب سے تیسری دنیا کی موجودہ قیادت کے ساتھ تجارتی، دفاعی اور معاشی روابط پر اصرار اندرون ملک اسی طبقے کے مفادات کی خاطر ہے۔ انقلابی نظریے کی اصطلاح میں اندرون ملک اسے ترمیم

پسندی کہا جاسکتا ہے۔ اور خارجی طور پر اسے سوشل سامراج کا نام دیا جاسکتا ہے۔ نوآزاد ممالک کی سامراج نواز قیادتوں کی روس کی طرف سے حمایت انقلابی تحریکوں کی مخالفت، اور اپنے حلقۂ اثر میں عوامی ابھار کے خلاف اقدامات اسی پالیسی کا مظہر ہیں۔ لیکن اس کی بنیاد اور وجہ روس کے اندر محنت کشوں کے راج کو ختم کرکے اپنی آمریت قائم کرنیوالے مراعات یافتہ طبقے کے مفادات کا تحفظ ہے۔

آج روس نے دنیا کے بڑھتے ہیں واقع رجعت پرست حکومتوں سے اس نوع کے تجارتی اور مالی تعلقات قائم کر رکھے ہیں کہ ان کے نتیجے میں جہاں روس میں مراعات یافتہ برسراقتدار طبقے کے مفادات پورے ہوتے ہیں۔ وہاں ان رجعت پرست حکومتوں کو انقلابی بغاوتوں کے مقابلے میں تحفظ ملتا ہے۔ بلکہ روس اور امریکہ کی طرف سے اس امداد کے بل بوتے پر ان میں سے کئی ممالک نے توسیع پسند عزائم اختیار کرکے چھوٹے ہمسایہ ممالک کی آزادی اور خودمختاری کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ روس اس صورت میں چھوٹے ممالک کی آزادی اور سالمیت کی گارنٹی دینے کی بجائے بڑے اور توسیع پسند ملک کی پالیسی اور موقف کو تسلیم کرکے اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ سیاسیات کے معنوں میں یہ محض حلقہ ہائے اثر کی بندر بانٹ ہے اور یہ سامراجی ممالک کی یکی نشانی ہے۔ ان سامراج نواز ممالک میں چند ترقی پسندوں نے روس کی اس پالیسی کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے خوش آمدید کہا اور اس طرح انہوں نے قومی جمہوری انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بجائے اس سے غداری اختیار کی مزدوروں اور کسانوں کا راج قائم کرنیکے بجائے یہ سرمایہ داروں اور بیرونی سامراج کے ایجنٹوں کے کاسہ لیس بن گئے اور ملک میں سامراج نواز قیادت کے استحکام کا سبب ثابت ہوئے۔

جس طرح روسی سوشل سامراج کے فلسفے کی بنیاد روس کے اندر ایک خاص طبقے کے معاشی مفادات اور ان کے تحفظ کی خواہش ہے اسی طرح دوسرے ممالک میں روسی سوشل سامراج کے ایجنٹ یعنی ترمیم پسندوں نے اپنے مفادات اور ان کا تحفظ برسراقتدار سامراج نواز قیادت سے وابستہ کر رکھے ہیں۔ ان نام نہاد انقلابیوں نے انقلابی عمل اور فلسفے پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے اور یہ اجارہ داری برسر اقتدار سامراج نواز حکومت کے طفیل قائم ہے۔ ان میں سے بہت سے بڑے درجے کے موقع پرست ہیں جنھوں نے حکومت سے مل کر کافی مالی فوائد اٹھائے ہیں دوسرے لوگ وہ ہیں جو انقلابی عمل کو جدلیاتی طریق کی بجائے میکانکی انداز سے دیکھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ انقلاب تواتر کا نام ہے اس میں تدریجوں کا تعین وقت اور دور کا محتاج ہوتا ہے اور کوئی چیز حتمی نہیں ہوتی۔

روس کی اس پالیسی یعنی سوشل سامراج پر عمل پیرا ہونے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ بین الاقوامی سطح پر سامراج دشمن وسیع تر محاذ کو نقصان اٹھانا پڑا اور بعض ایسے رجعت پسند ممالک جو آبادی اور وسائل کے اعتبار سے ہمسایہ ممالک سے بڑے تھے ان میں توسیع پسند اور جارحانہ پالیسیوں کو تقویت ملی۔ بھارت کی مثال لے لیجئے۔ روس بھارت کی موجودہ قیادت کو نہ صرف برصغیر بلکہ ایشیا کا ترجمان سمجھتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ بھارت کو اسلحہ کی امداد امریکی سامراج سے لڑنے کے لیے دے رہا ہے۔ لیکن عملاً اس کا نتیجہ بھارت کا چین اور پاکستان کے خلاف روز بروز بڑھتا ہوا جارحانہ رویہ اور ملک کے اندر انقلابی قوتوں کو دبانے کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔

روس کی موجودہ قیادت اور اس کی پالیسیوں کے نتیجے میں نہ صرف ان ممالک میں انقلابی تحریکوں کو نقصان پہنچا، بلکہ بین الاقوامی سطح پر سامراج دشمن وسیع تر محاذ کمزور پڑ گیا۔ دوسری طرف ان ممالک میں ترمیم پسند پارٹیوں نے نہ صرف انقلابی راستے سے دستبرداری اختیار کی بلکہ انقلابی عمل کے متعلق مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا۔

تیسری دنیا کے ممالک کے بارے میں جہاں تک چین کی پالیسی کا تعلق ہے اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ان ممالک کی آزادی اور سلامتی کا احترام اور ان کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور سامراج کے خلاف جدوجہد میں بھرپور امداد۔

چین نے اپنے اسی موقف کی روشنی میں بڑے ملکوں کی طرف سے چھوٹے ممالک کی آزادی، خودمختاری اور سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی کوششوں کی مخالفت کی ہے۔ سامراج نواز قیادت کے ساتھ گٹھ جوڑ کی بجائے سامراج کے ساتھ ان ممالک کے تضاد کی روشنی میں سامراج دشمن اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چین کی اس پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ سامراج دشمن محاذ کو تقویت پہنچی ہے، انقلابی قوتوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور بڑے ممالک کی طرف سے چھوٹے ملکوں کی علاقائی سالمیت کو خطرے پیدا کرنے کا امکان کم ہوا ہے۔ بھارت اور پاکستان کے بارے میں چین کا موقف اسی پالیسی کا صحیح مظہر ہے۔

بقیہ یکم مئی

جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کے شہیدوں، اینجل، فشر، پرسنز، اسپائز اور ان کے ساتھ شہید ہونیوالے بہت سے رفیقوں نے محنت کش طبقے کو سرمایہ داروں کے ظالمانہ اقتدار سے نجات حاصل کرنیکے لئے جدوجہد کرنے کا بے پایاں جذبہ و حوصلہ عطا کیا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمائے میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنا چاہتا ہے اس مقصد کیلئے وہ محنت کشوں کو ہر ممکن حد تک لوٹتا ہے۔ حرکت اور بد سے بہتر کی جانب ارتقاء سماج کا ایک عام قانون ہے۔ نئے آلات پیداوار اور سائنسی تجربات سے پیداواری عمل میں مصروف محنت کشوں کے تخیلات میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ طبقاتی کشمکش روز بروز شدت اختیار کرتی جاتی ہے اور محنت کش طبقہ پیداواری طاقتوں کو پرانے سماجی نظام سے آزاد کرا کے ایک نیا سماجی نظام نافذ کرنے کی جدوجہد کو تیز کر دیتا ہے۔ یکم مئی کی تحریک بھی انھیں حالات کا نتیجہ تھی۔ شکاگو کے مزدور جو سولہ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے، انہوں نے ایک طویل عرصے تک ظلم و استحصال کا شکار رہنے کے بعد یہ سمجھ لیا تھا کہ سرمایہ داروں نے محنت کشوں کو غلاموں سے بدتر حالات میں رکھا ہوا ہے اور یہ حالات خود سے تبدیل نہیں ہونگے۔ حالات کو تبدیل کرنے کے لئے سرمایہ داروں اور ان کے لوٹ کھسوٹ کے نظام کے خلاف ایک ہمہ گیر لڑائی لڑنا ہوگی ــــ

اس لڑائی کے دوران شکاگو کے محنت کشوں نے اپنے پرچم کو سرنگوں کرکے، اپنے خون میں ڈبو کر سرخ رنگ دے دیا تھا۔ بعد میں یہی پرچم محنت کش طبقے کا علامتی اور انقلابی پرچم بن گیا۔ اور دنیا بھر کے محنت کشوں نے اس امر کا عہد کیا کہ وہ مئی تحریک کے شہیدوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مزدور طبقے کے اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے اپنے خون کی قربانیاں دیتے رہیں گے اور مئی تحریک کے شہیدوں کے بلند کئے ہوئے سرخ پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھیں گے۔ یوم مئی کے موقع پر محنت کش اپنے اس عزم کی تجدید کرتے ہیں کہ وہ ظلم، استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے پاک نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔ دنیا میں سب سے زیادہ سندر، سب سے زیادہ اچھا سب سے زیادہ عظیم اور مقدس، سب سے زیادہ دلکش اور حسین لفظ "انقلاب" ہے۔ یہی وہ نظریہ اور مقصد ہے کہ جس کو عمل سے ہمکنار کرنے کیلئے دنیا کے بہت سے ممالک کے لاتعداد انقلابی اپنی زندگیاں قربان کر رہے ہیں۔ مئی تحریک کے جیالوں نے اپنے خون سے جو مشعل روشن کی تھی آج وہ پوری دنیا میں روشن ہو چکی ہے۔ محنت کش طبقہ اپنی آزادی کے مقصد کو یقیناً پا کر رہے گا۔ مئی تحریک کے شہیدوں کا خون بہانے والوں کے جانشین سرمایہ داروں سے تمام نسلوں کے مظالم اور لوٹ کھسوٹ کا حساب لے لیا جائے گا۔

شہریار خان

بلوچستان کی قومی جدوجہد کا طبقاتی تجزیہ

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک بلوچستان میں جو جدوجہد ہوئی ہے وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے پاکستان کے تمام صوبوں سے رقبے میں بڑے اور آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹے صوبے بلوچستان کی اس جدوجہد کی تفصیلات جو عام لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں سے بیشتر غلط ہیں اور مخصوص مفادات رکھنے والے ایک قسم کے عناصر یا دوسرے قسم کے عناصر کے منفی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ مخصوص مفادات رکھنے والے ایک تو وہ سامراج نواز اسلام پسند عناصر ہیں جو لسانی و ثقافتی بنیادوں پر قوموں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اور ان عناصر کا دوسرا گروہ روسی سوشل سامراج کے پاکستانی گماشتوں پر مشتمل ہے عوام دشمنوں پر مشتمل ان دونوں گروہوں نے جو ملکی پریس کے بڑے حصے پر قابض ہیں بلوچستان کے حالات کو عوام الناس کے سامنے اپنے گھناؤنے طبقاتی مفادات کی تکمیل کے لئے پروپیگنڈے کے طور پر پیش کیا۔

صوبہ بلوچستان جو رقبے میں مغربی پاکستان کے تقریباً نصف کے برابر ہے اس کی آبادی تیس لاکھ کے لگ بھگ ہے کراچی میں اندازاً آٹھ لاکھ بلوچی آباد ہیں اور سندھ کی تقریباً نصف آبادی بلوچوں پر مشتمل ہے یہاں قبیلہ واری نظام ہے اور قبیلے کے سردار کی حیثیت کم و بیش ایک حاکم مطلق کی سی ہوتی ہے ویسے تو بلوچستان میں بہت سے قبیلے ہیں لیکن رند، ہوت، مگسی، مینگل مری اور بگٹی قبیلوں کا شمار بڑے قبیلوں میں ہوتا ہے بڑے قبیلے کے بہت سے ذیلی قبیلے ہیں جن میں زرکزئی، شاہوانی، قمبرانی، احمد زئی وغیرہ شامل ہیں بلوچستان کے کچھ حصوں مثلاً لورالائی، پشین، ژوب، ہرنائی، فورٹ سنڈیمن اور کوئٹہ شہر میں پختون بھی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

صوبے میں معاشی ترقی نام کو نہیں ہے یہاں کا قبائلی نظام انتہائی فرسودہ اور پسماندہ پیداواری رشتوں کی نمائندگی کرتا ہے صوبے میں کارخانے نہیں ہیں صرف ہرنائی میں کمبلوں کا ایک کارخانہ ہے منظم انداز میں زراعت کا وجود بھی نہیں ہے عوام کو لوٹنے والے عناصر میں سردار، جاگیردار کارخانوں کے مالک اور مچھلیوں کے تاجر شامل ہیں۔ محنت کش عوام، مچھیروں چرواہوں کھیتوں اور کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں میں منقسم ہیں عوام کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے دو وقت کی روٹی بھی محنت کشوں کو نہیں ملتی یہاں فقیر تو فقیر ہیں ہی مگر مزدوروں کو بھی فقیر بنا دیا گیا ہے روزگار کے ذرائع بہت محدود ہیں حالانکہ بلوچستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے مگر کیونکہ ہمارے ملک پر استحصالی طبقوں کی حکمرانی ہے اس لئے وطنِ عزیز کے کسی بھی حصے بشمول بلوچستان ان وسائل کا درست استعمال ناممکن ہے۔

صوبے میں پائی جانے والی معدنیات میں کوئلہ، جپسم، ماربل، سوئی گیس، سیسہ، گندھک وغیرہ شامل ہیں حال ہی میں چاغی اور دال بندین کے علاقوں میں چاندی کا ذخیرہ بھی دریافت ہوا ہے تیل ملنے کی بھی توقع ہے ضلع مکران میں تحصیل بلیدہ کے مقام پر کچھ عرصے قبل تیل ملا تھا لیکن بعد میں اس کی تلاش ترک کر دی گئی ان تمام معدنیات پر مختلف سرمایہ دار گروہوں کی اجارہ داری ہے ماربل پر نبی بخش زہری اور کوئلے پر سیف اللہ خان کی اجارہ داری ہے بہت سی دوسری معدنیات پر پنجاب کے سرمایہ داروں کا تسلط ہے نوکر شاہی کے کام کرنے کا انداز یہ ہے کہ محکمہ زراعت نے کچھ عرصے قبل بلوچستان کی زرعی ترقی کے متعلق اعداد و شمار پر مشتمل ایک کتابچہ شائع کیا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ محکمہ زراعت بلوچستان کی نصف زمین کو قابلِ کاشت بنا دیا ہے جبکہ اس صوبے میں ماسوائے چند چھوٹے مقامات کے کہیں بھی قابلِ کاشت زمین نہیں ترقی کے جو منصوبے بنائے گئے ان میں سے ایک بھی پورا نہیں کیا گیا گوادر میں میٹھے پانی کا ایک کنستر کم از کم ایک روپے اور بعض اوقات چار پانچ روپے تک ملتا ہے اور اگر کبھی کبھار حکومت کی طرف سے مچھیروں کو مچھلی پکڑنے کے جال اور نائیلون کے دھاگے فراہم کئے جاتے ہیں تو نوکر شاہی کے کارندے یہ اشیا استحصالی طبقوں کے نمائندہ عناصر کو سیاسی رشوت کے طور پر تقسیم کرتے ہیں پہلے ماہی گیروں کے لئے لائسنس سسٹم نہیں تھا لیکن اب مچھلی پکڑنے کے لئے لائسنس ضروری قرار دیا گیا ہے جس کے سبب مچھیروں کے لئے نوکر شاہی کے کارندوں کو رشوت دئے بغیر مچھلی پکڑنا ناممکن ہو گیا ہے پسنی، گوادر، جیونی، پشکان اور گنز وغیرہ کے ساحلی سمندروں میں بڑی مقدار میں مچھلی پائی جاتی ہے لیکن ان علاقوں کا ٹھیکہ سرمایہ داروں کے پاس ہے اور وہ یہاں کے ماہی گیروں سے بہت ہی کم داموں میں مچھلیاں خریدتے ہیں اور بڑے شہروں میں بھاری قیمت میں فروخت کر دیتے ہیں بلوچستان میں کھجور بہت ہوتی ہے لیکن اسے محفوظ اور خشک کرنے کی صنعت بالکل نہیں ہے اس لئے تازہ کھجور کراچی نہیں پہنچ پاتی۔ اور بصرہ سے ڈبوں میں بند کی ہوئی کھجور بڑی مقدار میں منگوائی جاتی ہے۔ بلوچستان میں تعلیم کا تناسب بہت کم ہے۔

ایوب مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے کچھ عرصے قبل خان قلات نے ریاست کی بحالی کے لئے تحریک شروع کی تھی اس نے اپنی ریاست اور حاکمیت کی بحالی کے لئے قبائل کو مرکزی حکومت کے خلاف اکسانا شروع کیا طالبعلموں کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ خان قلات کو ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایوب مارشل لاء کے نفاذ سے قبل مستونگ میں ایک بڑی کانفرنس ہوئی اس میں کراچی اور سندھ کے مختلف حصوں سے بھی مندوب گئے تھے یہ کانفرنس سات روزہ تھی اس کانفرنس کے دوران مارشل لاء لگ گیا اور یہ بلا نتیجہ ختم ہو گئی بعد میں سرداروں نے اپنی مراعات اور سرداریوں کی بحالی کے لئے نوجوانوں میں قوم پرستی کا پرچار شروع کیا۔ اور خود بھی کبھی کبھی گرفتار ہوئے حکومت سے باقاعدہ جھڑپوں کا آغاز ہوا قبائلی سرداروں نے صرف اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے بلوچستان کے محنت کشوں کو فوج اور پولیس سے لڑانا شروع کر دیا اور اس طرح بلوچستان کے محنت کشوں کا فوج اور پولیس سے تصادم کا آغاز ہوا۔

یہ جنگ استحصالی طبقوں کے دو گروہوں کے مابین جنگ تھی پاکستان کے بڑے سرمایہ دار جاگیردار اور نوکر شاہی طبقوں کے نمائندے اس گھات میں تھے کہ پورے بلوچستان کے معاشی وسائل کا صرف اور صرف وہ استحصال کریں اور بلوچستانی کے استحصالی طبقے بلوچستان کے عوام کی لوٹ کھسوٹ کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کرانے کی سازش میں لگے ہوئے تھے لڑائی اس بات پر تھی کہ بلوچستان کے عوام کو لوٹنے کا بنیادی حق کس کو ہونا چاہئے ۱۹۶۲ء میں ملک میں انتخابات ہوئے تو بلوچستان کے کچھ افراد اسمبلی کے ارکان کی حیثیت سے منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچے ان کی خواہش یہ تھی کہ سرداری اور اسمبلی کی رکنیت کے حساب سے انہیں زیادہ مراعات دی جائیں اور ان کی معاشی و سیاسی حیثیت میں اضافہ کیا جائے ان کی اس خواہش کے برعکس سابق گورنر امیر محمد خان نے کم مراعات دے کر بلوچستان میں اپنے پٹھوؤں کا ایک اور گروہ تیار کیا جس میں نبی بخش زہری اور دودا خان وغیرہ شامل تھے بلوچستان کی تمام تر لڑائی مذکورہ دو گروہوں کے درمیان مندرجہ بالا مقاصد کی خاطر ہوئی۔

بلوچستان کے ذرائع پیداوار اور سیاسی اقتدار پر قبضے کے لئے استحصالی طبقوں کے دو مختلف گروہوں کے درمیان کشمکش قومی جدوجہد کی صورت میں ظاہر ہوئی سرداروں کی تمام مراعات کی بحالی اور خان قلات کی بادشاہت بحال کرنے کے لئے کچھ عناصر نے بغاوت کی کچھ لوگوں کو حکومت نے گرفتار کر کے انہیں پھانسی دی۔ پھانسی دئے جانے والوں میں میر مستی خان موسیانی، میر بٹے خان زرک زئی، میر غلام رسول نیچاری، میر بہاول خان موسیانی میر ولی محمد زرک زئی، میر سبزل خان اور رجام قبیلے کا ایک شخص شامل ہیں۔ ان افراد میں سے بعض کو حیدرآباد جیل میں اور بعض کو سکھر جیل میں پندرہ جولائی ۱۹۶۰ء کو پھانسی

دی گئی۔ کچھ لوگوں کو عمر قید کی سزا دی گئی ان کے نام یہ ہیں۔

نواب نوروز خان زرک زئی (ان کا جیل ہی میں انتقال ہو گیا) میر جلال خان، میر لسنید خان زرکزئی میر لعل محمد باعبانی، میر محمد عمر موسیانی، مل مراد خان بجاری، مراد خان مینگل، کچھ عرصے قبل میر لسنید خان اور کچھ دوسرے لوگ رہا کر دئے گئے ہیں۔ ان سب افراد کا سرداریوں اور مراعات کی بحالی کے سلسلے میں ایوب خان سے ٹکراؤ تھا سردار دوداخان زرکزئی جو نبی بخش زہری کے توسط سے سابق گورنر امیر محمد خاں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا اس نے ان سب کی نشاندہی کی اور ان کے خلاف تشدد کرنے میں حکام وقت کا آلۂ کار بنا۔ قلات ڈویژن میں قبائل کے سرداروں نے سرکشی کی تو ان پر بمباری کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں نو افراد ہلاک اور تقریباً چوبیس زخمی ہوئے وادی کنراج میں عید کے دن بمباری کی گئی جس سے چھبیس افراد ہلاک اور ایک سو کے قریب زخمی ہوئے وادی کنراج میں دو گاؤں ان میں سے ایک کا نام نوردین انار اور دوسرے کا عید محمد ہے یہ دونوں گاؤں جلا دئے گئے تئیس فروری کو ساروناکے ایک قافلے پر بمباری کی گئی جو سندھ سے جھالاوان جا رہا تھا اس بمباری سے بھی متعدد افراد ہلاک ہو گئے چھبیس فروری کو درہ مولا میں ایک قافلہ پر بمباری کی گئی یہ قافلہ بھی سندھ سے اپنے علاقے میں جا رہا تھا اس سے انسٹھ افراد جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں ہلاک ہوئے ردعمل کے طور پر آرچی میں ایک پاکستانی سیبر جیٹ پر فائرنگ کی گئی یہ طیارہ کتن راخ میں جا کر گرا۔

ایک سیبر جیٹ اور ایک ہیلی کوپٹر وڈھ کے مقام پر گرائے گئے سیبر جیٹ گرنے سے فلائنگ آفیسر علی سردار نقوی ہلاک ہو گئے ایک سڑک کی تعمیر کے دوران قبائلیوں کو پولیس سے تصادم ہوا اور یہ تصادم کافی دنوں تک جاری رہا منڈ پولیس اسٹیشن اور رعب پولیس اسٹیشن پر قبائلیوں نے فائرنگ کی جیند اور پولیس اسٹیشنوں پر بھی حملے کئے گئے کچھ پولیس اسٹیشنوں پر پولیس اور قبائلیوں کے درمیان نہ صرف لڑائی ہوئی بلکہ وہاں کے وائرلیس سیٹ توڑ دئے گئے اور سپاہیوں کو لاٹھیاں مار مار کر وہاں سے بھگا دیا گیا۔ لکی باران، وڈ گاؤں، ودحقیل، سارینہ، سولابی اور کنراج میں چار یا پانچ روز کی لڑائی کے بعد چوکیوں سے پولیس والوں کو بھگا دیا گیا ساروناروڈ پر پولیس اور قبائلیوں کے درمیان تصادم کے نتیجے میں بہت سے پولیس کے جوان ہلاک ہو گئے مینگل قبیلے کے علاقے کو سندھ سے ملانے کے لئے ایک سڑک تعمیر کی گئی جس کا مقصد مینگل قبیلے کو محصور کرنا تھا لوگوں نے اس کی مدافعت کی ایک روز انہوں نے پولیس پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں تقریباً ۱۹ افراد ہلاک ہو گئے۔

اس ضمن میں خان قلات کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ کوئٹہ سے نوے میل دور قلات میں خان معظم میر احمد یار خاں کا عظیم الشان محل واقع ہے پاس ہی مٹی کے کچے مکانات اور گھاس پھوس کی جھونپڑیاں اپنی پستی اور بدبختی پر نوحہ خواں ہیں اب سے تیرہ سال قبل جب عام انتخابات کا شور ہو رہا تھا تو خان معظم نے ایک موقع پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا "ریاست قلات کو دوبارہ زندہ کرنا ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو ناپسندیدہ عناصر صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کریں گے" ہم نہ تو بالغ حق رائے دہی کے اصول کے حامی ہیں اور نہ یہ پسند کرتے ہیں کہ عورتوں کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا جائے اور ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے قبل خان معظم نے شاہی محل میں اعلان کیا کہ "مضبوط مرکز ہی مضبوط پاکستان کا ضامن ہے اور اسی لئے میں پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں"

۱۹۷۰ء میں خان معظم نے اس طرح چولا بدل لیا تھا خان معظم کی ہوس اقتدار کا یہ عالم ہے کہ کچھ عرصے قبل انہوں نے کراچی کے ایک استقبالئے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے اقتدار سونپ دیا جائے تو میں صرف تین ماہ میں پورے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کروں گا قیام پاکستان سے قبل بلوچ ایمپائر کا خواب استحصالی عناصر دیکھ رہے تھے ابھی بلوچ سلطنت کا مسئلہ موضوع بحث تھا کہ پاکستان کی تشکیل ہو گئی اور اس سلطنت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ خان معظم اس اقدام سے خوش تھے لیکن ایک یونٹ کے نفاذ کے بعد ریاستی حکمرانوں کے اختیارات سلب کر لئے گئے مگر قلات کے حکمران ریاست کی بحالی کے لئے کوشاں رہے

اس جدوجہد میں ان کے شریک سفر جھالاوان اور ساراوان کے سردار تھے۔

یہ سرگرمیاں ابھی جاری تھیں کہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ ہوا خان معظم کو گرفتار کر لیا گیا حکومت کے اس اقدام نے خان معظم کو عوام کی نظروں میں ہیرو بنا دیا مگر ایک روز خبر آئی کہ سابق صدر ایوب خان اور خان معظم کے درمیان تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے ہیں انہیں رہا کر دیا گیا اور سابق مراعات سے نوازا گیا بعد میں انہوں نے گورنر مغربی پاکستان کے مشیر کا عہدہ قبول کر لیا نواب نوروز خان زرک زئی کے قبیلے کے وہ افراد جنہیں پھانسی دی گئی خان قلات کی سلطنت کی تشکیل کے لئے جنگ کر رہے تھے۔

بلوچستان کی سیاست میں سردار اکبر خان بگٹی کا کردار بھی خاصا دلچسپ ہے کچھ عرصے قبل سردار بگٹی نے اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا اور اس سبب انہیں عمر قید کی سزا دی گئی تھی۔ بعد میں انہوں نے ایوب خاں سے رحم کی اپیل (MERCY PETITION) جس کے بعد رہا کر دیا گیا۔ اس جرم میں ملوث ہونے کے سبب اکبر خان بگٹی کسی سیاسی جماعت یا اسمبلی کے رکن بننے کے اہل نہیں اور درحقیقت یہ کسی سیاسی جماعت کے باضابطہ رکن بھی نہیں ہیں۔ لیکن عملاً یہ نیپ ولی گروپ کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس حد تک کرتے ہیں کہ متعدد مرتبہ انہوں نے نیپ مغربی پاکستان کے جنرل سکریٹری عزت بخش بزنجو کے بیانات کی تردید کی۔

وہ تمام سردار جو ایوب خاں کی آمریت ختم کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دینے کا اعلان کرتے تھے اور ساتھ ساتھ سرداری نظام کی مخالفت کرنے کے لئے بھی دعویدار تھے ان سب کی سرداریاں ایوب خان کی آمریت کے دوران ہی ایوب خان کے ایک پٹھو سابق گورنر موسیٰ خان نے بحال کیں۔ اور انہیں حکومت کی جانب سے وظیفہ مقرر ہوا۔

سرداری نظام کی آخر یہ کیسی مخالفت ہے کہ وہ گروپ جن کی سرداریاں ختم ہو چکی تھیں اس نظام کی مسلسل مخالفت کرتے کرتے دوبارہ سردار بن گئے اور جیسے ان کی یہ حیثیت بحال کی گئی اور انہیں وظیفہ ملنا شروع ہو گیا اس وقت سے ہی مرکزی حکومت سے ان کا اختلاف بھی ختم ہو گیا۔ بلوچستان کے ایک سردار نے جو سردار بننے سے قبل اس نظام کی شدید مخالفت کرتے تھے لوگوں کے اصرار پر کہا کہ میں سرداری نظام کا مخالف ضرور تھا اور ہوں لیکن اس سے میری مراد یہ ہے کہ موروثی سرداریوں کو ختم کیا جائے مینگل قبیلے کے علاقے سے گزرنے والی سڑک جس کی تعمیر کے سلسلے میں پولیس اور قبائلیوں کے مابین خون آشام تصادم ہوا تھا سابق گورنر موسیٰ خاں نے اس کی تعمیر کا ٹھیکہ نیپ ولی گروپ کے رہنما عطاء اللہ خاں مینگل کو دے دیا ہے یہاں یہ بتانا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ سردار جن کی اپنے قبائل پر پوری گرفت ہے اور ان کی اطلاع و اجازت کے بغیر ان کے علاقے سے کوئی گزر نہیں سکتا وہاں یعقوب گونگ نامی مشہور اسمگلر کافی عرصے روپوش رہا اور پھر کچھ عرصے بعد بلوچستان سے پاکستانی سرحد پار کر کے ایران چلا گیا۔

سردار عبدالصمد خان اچکزئی نے حال ہی میں پختونخواہ نیشنل عوامی پارٹی ولی گروپ۔ قائم کر کے یہ نیا مطالبہ پیش کر دیا ہے کہ ژوب لورالائی فورٹ سنڈیمن اور پشین کے ان علاقوں کو جہاں پختون آبادی کی اکثریت ہے صوبہ سرحد میں شامل کیا جائے اور پھر اس پورے علاقے کا نام پختونستان رکھا جائے اچکزئی کا مقصد بلوچ سرداروں پر دباؤ ڈال کر اس اسسٹنٹ کے ذریعے اپنے لئے زائد مراعات حاصل کرنا ہے۔

نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان گروپ) میں گھسے ہوئے روسی سوشل سامراج کے گماشتے جو خود کو حقیقی سوشلسٹ کہتے ہیں انہوں نے "قوم پرست" سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سرداروں (چھ نکاتیوں) جیسے سندھ اور پختونستان تحریک کے حامیوں اور بلوچستان کے سرداروں سے تو گٹھ جوڑ کر رکھا ہے لیکن ان کا ملک کے مسلمہ امریکی سامراج نواز اجارہ دار سرمایہ داروں سے گٹھ جوڑ بھی مخفی نہیں۔ ایوب خان کے دور حکومت میں جب بزنجو نے اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا تو مشہور سی آئی اے ایجنٹ یوسف ہارون نے ان کی کھلی پشت پناہی کی اور اپنے ہی قبیل کے ایک بڑے سرمایہ دار حافظ حبیب اللہ خان پراچہ کے مقابلے میں بزنجو کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا یہاں تک کہ اپنی ہی جماعت (مسلم لیگ) کے نامزد امیدوار کی مخالفت اور پارٹی ڈسپلن توڑنے کے جرم میں ہارون فیملی کی وزارت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ حالیہ انتخابات میں بزنجو اور مینگل کا بیشتر انتخابی

خرچ ہارون منیلی، امیر علی فنیسی اور حبیب اللہ خاں پراچہ نے برداشت کیا ہے حبیب اللہ خاں کے بیٹے سیف اللہ خاں پراچہ کے پاس بلوچستان میں کوئٹے کی کانوں کا ٹھیکہ ہے ان سب سرمایہ داروں کا پیپلز پارٹی سے ان بن ہے اور انہوں نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ اگر پیپلز پارٹی کی حکومت نے سندھ اور پنجاب میں صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا یا صنعتوں پر بھاری ٹیکسوں کا نفاذ کیا تو انسی صورت میں وہ بلوچستان میں سرمایہ کاری کریں گے ان اجارہ داری نے اس مقصد کے تحت ان نام نہاد سوشلسٹوں کی پشت پناہی کی ہے نیپ نے گوادر کو فری پورٹ بنانے کا وعدہ کیا ہے اور ضلع لسبیلہ میں حب اور اتھل کے مقامات پر صنعتی علاقے قائم کئے جا رہے ہیں نیپ غوث بخش بزنجو نے ان سرمایہ داروں سے وعدہ کیا ہے کہ بلوچستان میں سرمایہ کاری کرنے پر انہیں طویل عرصے کے لئے ٹیکسوں پر چھوٹ دی جائے گی صنعتوں کو قومیانے کا نعرہ لگانے والے یہ نام نہاد "سوشلسٹ نجی صنعتوں کو فروغ دے کر عوام کو یہ کہہ کر بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ پہلے صنعتیں قائم ہو جانے دو صنعتوں کے قیام کے لئے سرمایہ داروں کو ٹیکسوں پر چھوٹ دینا ضروری ہے اس سے بلوچستان ترقی کرے گا اور عوام کو روزگار ملے گا بعد میں ان صنعتوں کو قومیا لیا جائے گا۔ بلوچستان میں بیرونی نوکر شاہی اور اجارہ دار سرمایہ داروں کی نمائندگی مسلم لیگ قیوم گروپ کر رہی ہے۔

ان حقائق اور تفصیلات کے پس منظر میں بلوچستان کی قومی جدوجہد کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے اجارہ دار، جاگیردار اور رگماشتہ سرمایہ دار اور نوکر شاہی طبقے عوام دشمن ہیں انہوں نے تئیس سال سے ملک بھر کے محنت کشوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے اور ان کے نمائندوں غلام محمد، چودھری محمد علی، اسکندر مرزا اور ایوب خاں نے عوام پر جس قدر مظالم کئے ہیں اور عوام کا جتنا خون بہایا ہے اس کی تفصیل بہت طویل ہے اور یقیناً یہ عناصر قابل مذمت ہیں عوام ان استحصالی طبقوں اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے ان عناصر کو وقت آنے پر پوری سزا دیں گے لیکن بلوچستان کے یہ استحصالی عناصر جو خود کو عوام کا ہمدرد اور نمائندہ کہتے رہے اور بظاہر عوام کی ہمدردی لیکن درحقیقت اپنے طبقاتی مفادات کی تکمیل کے لئے ان اجارہ داروں اور بڑے سرمایہ داروں جاگیرداروں نوکر شاہی کے نمائندوں سے لڑتے بھی رہے ان کا اصل چہرہ اس تحریک کے بعد حالیہ دنوں میں بے نقاب ہو گیا ہے اور بلوچ عوام اور خصوصاً طلباء ان کے موقع پرستانہ کردار کو سمجھ چکے ہیں۔ بلوچ عوام نے جو قربانیاں دی ہیں وہ یقیناً عظیم الشان اور لائق صد تحسین ہیں لیکن اس تحریک کی قیادت جن لوگوں کے ہاتھ میں تھی انہوں نے عوام کے خون سے غداری کرتے ہوئے شہیدوں کی قربانیوں کو رائیگاں کر دیا جن طبقوں کے خلاف وہ جدوجہد کے مدعی تھے انہیں سے انہوں نے گٹھ جوڑ کر لیا اور قومی خودمختاری کی تحریک کی قیادت کے دعویداروں نے اس تحریک سے اپنا عوام دشمن مفاد حاصل کر لیا درحقیقت آج کے دور میں کسی جگہ بھی قومی خودمختاری کی تحریک استحصالی طبقوں کی قیادت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اب قومی خودمختاری کی تحریک صرف محنت کشوں کی قیادت میں ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ پاکستان کی مختلف قوموں کے درمیان حقیقی اتحاد، یگانگت، مکمل جمہوریت اور مساوات قائم ہونے کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ تمام قوموں کے محنت کش عوامی جمہوری انقلابی تحریک کی زیر قیادت مزدوروں، کسانوں، دانشوروں اور قومی سرمایہ داروں کا ایک وسیع تر انقلابی متحدہ محاذ قائم کریں اس متحدہ محاذ کے زیر اثر تمام محکوم قوموں کو منظم کیا جائے اور ایک طویل کٹھن صبر آزما اور پر پیچ انقلابی جدوجہد کے ذریعے وطن عزیز میں عوامی جمہوری قومی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے سرمایہ دارانہ ریاستی ڈھانچہ جب تک موجود ہے اس وقت تک مختلف قومیتوں کے مابین مساوات جمہوریت اور حقیقی اتحاد ناممکن ہے صرف عوامی جمہوری ریاستی ڈھانچہ ہی تمام ملک کے محنت کشوں اور تمام قومیتوں کے مسائل کے حل کی واحد ضمانت ہے۔ بلوچستان میں "ہمارے سوشلزم" کے رہنماؤں کی پچھلی جنگ میں یہ قیمتی تجربہ ضرور حاصل ہوا ہے کہ صحیح اور غلط کی تخصیص ہو گئی اور آئندہ جب صحیح خطوط پر عوامی جنگ شروع ہو گی تو ان غلطیوں کی تکرار نہ ہو سکے گی۔

بلوچستان کے عوام نے اس تحریک کے دوران اپنے پہاڑوں اور اپنی مقدس سرزمین کو اپنے خون سے لالہ زار کیا ہے ان کی قربانیاں عظیم ہیں انہوں نے اپنے مسائل کے حل کے لئے قربانیاں دی تھیں لیکن بلوچستان کے استحصالی طبقوں کے نمائندہ عناصر نے ان کی قربانیوں سے اپنی سودے بازی کی تکمیل کی۔ تمام محکوم طبقوں اور محکوم قوموں کی آزادی اور لوٹ کھسوٹ کے خاتمہ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ محنت کش طبقے کا سیاسی شعور بلند کر کے ملک کے پچانوے فیصد عوام کو انقلابی جدوجہد کے لئے ابھارا جائے اور محنت کش طبقے کی قیادت میں عوامی جمہوریت نافذ کی جائے آج کے دور میں صرف محنت کش طبقہ ہی محکوم قوموں کو آزادی دلانے کا اہل ہے۔

سلطان ابوظہبی

الف لیلیٰ کی داستان

دُہرا رہے ہیں

ریگستان چولستان میں سلطان ابوظہبی اور ان کی شکار ٹیم کسی قانونی ضابطہ کی پرواہ کئے بغیر شکار میں مصروف ہے ان کے شب و روز پاکستانی خواتین سے داد عیش میں گذرتے ہیں اور پاکستان کے بڑے بڑے بنک ان کے لئے یہ "سہولتیں" فراہم کرتے ہیں، رحیم یار خاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک کروڑ روپئے کی لاگت سے تعمیر شدہ محل مکمل ترین عشرت کدہ ہے، لاہور کے ہفت روزہ پنجاب پنچ "کے مطابق پنجاب یونیورسٹی کے میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے کیوریٹر جناب زیڈ بی مرزا نے چولستان کا تفصیلی دورہ کرنے کے بعد حکومت کو جو رپورٹ پیش کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ چولستان میں سلطان ابوظہبی کے محل میں عیاشی کے تمام لوازمات موجود ہیں یہاں بجلی اور پانی کی بھی تمام سہولتیں مہیا کی گئی ہیں، سلطان کی حرم سرا میں لاہور، کراچی اور چولستان کے علاقے کی بے شمار عورتیں موجود رہتی ہیں اور سلطان ان کے ساتھ الف لیلیٰ کی داستان دہرا رہے ہیں اور پاکستان کے ایک بڑے بنک کے اعلیٰ افسر ہر وقت سلطان کی خدمت میں موجود رہتے ہیں تاکہ سلطان کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔ اور یہ سب کچھ صرف زرمبادلہ کمانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔

رپورٹ کے مطابق سو افراد پر مشتمل سلطان کی شکار پارٹی اس علاقے میں "تلور" کا شکار کھیل رہی ہے یہ جانور موسم سرما میں افغانستان اور روس سے مغربی پاکستان کے مختلف حصوں میں آتے ہیں۔ اگر آئندہ سال بھی یہ شکار جاری رہا تو پورے علاقہ میں نہ صرف "تلور" بلکہ دوسرے جانور بھی ختم ہو جائیں گے۔ مسٹر مرزا نے حکومت سے یہ شکار ختم کرانے کی اپیل کی ہے، رپورٹ میں شکار کا طریق کار بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ شاہی جماعت بندوق کی بجائے "شکروں" سے شکار کرتی ہے۔ شیخ کو ساٹھ "شکرے" لانے اور ۱۵ جنوری تک شکار کھیلنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن درحقیقت شاہی جماعت اپنے ساتھ ڈیڑھ سو شکرے لائی ہے۔ پاکستان کے قوانین کے مطابق کوئی شخص ایک سے زیادہ شکرے سے شکار نہیں کھیل سکتا۔ لیکن یہ پارٹی روزانہ ڈیڑھ سو جانور شکار کرتی ہے جبکہ شیخ خود روزانہ نوے جانور شکار کرتے ہیں لیکن مقامی حکام ان کے خلاف کسی کاروائی سے معذور ہیں۔

اسلام پسند سیٹھ کی مزدور دشمن سرگرمیاں

احمد حلوہ مرچنٹ میں یونین کے عہدیداروں اور کارکنوں کی برطرفی

ایس آئی ٹی ای شیر شاہ میں احمد فوڈ انڈسٹریز نام کا ایک کارخانہ ہے جس کے مالکان سامراج کی پٹھو اور مزدور دشمن جماعت یعنی جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملز مالکان جو خود کو اسلام پسند اور شریعت کا پابند کہتے ہیں ان کی مزدور دشمن اوچھی کارروائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس کارخانے کے قیام اور اس کی ترقی کی تاریخ اگر مرتب کی جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح دھوکے بازی، چور بازاری، لوٹ کھسوٹ اور مزدوروں کے حقوق غصب کر کے چھوٹی چھوٹی سی فیکٹریوں کے مالک بڑے سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔ اور یہ کہ مزدوروں کی لوٹ کھسوٹ اور اپنے گھناؤنے کردار پر پردہ ڈالنے اور تمام محنت کشوں کو دھوکا دینے کے لئے کس طرح لٹیرے سرمایہ دار اسلام پسند اور پابند شرع بن جاتے ہیں۔

احمد کراچی حلوہ مرچنٹ کے مالکان کی پہلے ایک چھوٹی سی دکان شہر میں تھی۔ بعد میں شیر شاہ میں ایک فیکٹری قائم کی گئی۔ انتظامیہ نے ملک کے صنعتی قوانین کو اپنی فیکٹری پر لاگو نہ کرنے کے لئے اسے کمال عیاری سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جس میں سے ایک کا نام احمد فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ، اور دوسری کا نام احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ رکھا۔ حالانکہ صنعتی قوانین کی رو سے ایک احاطے میں دو فیکٹریاں نہیں ہو سکتیں۔ اور بالخصوص لمیٹڈ فیکٹریاں تو کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن اسلام پسند مالکان نے محکمۂ محنت کے مزدور دشمن افسران سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی مزدور دشمن سرگرمیاں جاری رکھیں۔

احمد فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ اور احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ دونوں میں ڈھائی سو سے تین سو تک مزدور ملازم ہیں۔ اور اگر دونوں کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے تب بھی ہر دو میں الگ الگ پچاس سے زائد مزدور کام کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان فیکٹریوں پر صنعتی قوانین مکمل طور پر لاگو ہوتے ہیں۔ لیکن فیکٹری مالکان کا یہ ریکارڈ ہے کہ انہوں نے آج تک مزدوروں کو کبھی قوانین کے مطابق سہولتیں بھی نہیں دیں۔ نوٹس پے، گریجویٹی، چھٹیاں، بونس، حتیٰ کہ اوور ٹائم اور حاضری کارڈ، فوٹو پاس وغیرہ بھی مزدوروں کو کبھی نہیں دیئے گئے۔ محکمۂ محنت کے افسران جن کا یہ فرض ہے کہ وہ تحقیقات کریں کہ آیا ایک فیکٹری میں صنعتی قوانین پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں وہ بھی کچھ نہ کر سکے۔ فیکٹری کے مالکان کا کہنا یہ ہے کہ ہماری مٹھائی میں بڑی شیرینی ہے جسے بھی مٹھائی اور دیسی گھی کے ایک دو ڈبے دیں گے وہ رام ہو جائے گا۔

مالکان نے کبھی ایسے حالات پیدا نہیں ہونے دیئے کہ فیکٹری میں یونین بنائی جا سکے۔ جس مزدور کو انتظامیہ ملازمت سے علیحدہ کرنا چاہتی ہے۔ اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ "کل سے مت آنا" خواہ اس کی ملازمت آٹھ دس سال پرانی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کسی مزدور سے منتظمین کو اس بات کا خطرہ ہو کہ یہ طویل مدت ملازمت کے سبب بننے والے واجبات کے حصول کے لئے محکمۂ محنت یا دوسرے محکموں کے ذریعے انتظامیہ سے رجوع کر سکتا ہے۔ اس سے منتظمین زبردستی استعفیٰ پر دستخط کرا لیتے ہیں تاکہ واجبات ادا نہ کرنے پڑیں۔ بہرحال مالکان اور فیکٹری انتظامیہ کے بہت سے دعووں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس نے گذشتہ تین ماہ کے عرصے کو چھوڑ کر ماضی میں کبھی کسی مزدور کو ملازمت سے خود علیحدہ نہیں کیا کیونکہ کوئی مزدور اس کا تحریری ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ چار پانچ سال قبل فیکٹری کے مزدوروں نے ایک یونین بنائی تھی لیکن یونین کے مزدوروں کو ملازمت سے علیحدہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں جھوٹے مقدمات میں پھنسوا دیا گیا۔ اس طرح یونین کو ختم کر دیا گیا۔

اس فیکٹری کی انتظامیہ جہاں مزدوروں کے حقوق غصب کرتی رہی ہے وہاں اس نے مزدوروں سے مختلف مدوں کے نام سے چندہ لیکر بھی ہضم کیا ہے۔ مزدوروں سے دو سال سے زائد عرصے سے سوشل سیکورٹی اسکیم فنڈ کے نام سے تنخواہ کا دو فیصد حصہ ہر ماہ کاٹا جاتا رہا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ فنڈ انتظامیہ ہضم کرتی رہی۔ اور اسلام پسند مالکان مزدوروں کی خون پسینے کی کمائی کو لوٹ لوٹ کر اپنی اسلام پسندی اور مذہب سے محبت کو تسلیم کرانے کے لئے مزدوروں کی غصب شدہ رقم سے شام نور مناتے رہے۔ یہ شام نور کی تقریبات مسلسل باقاعدگی سے ہوتی ہیں جن میں شہر کے نام نہاد معززین اور اسلام پسند شرکت کرتے ہیں۔ اور احمد کراچی حلوہ مرچنٹ کے مالکان کی اسلام دوستی کی داد دیتے ہیں۔ چند تقریریں ہوتی ہیں۔ اور پھر شام نور کا اجلاس ختم ہو جاتا ہے۔ ان جلسوں سے منتظمین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کراچی کے با اثر حلقوں میں اثر و رسوخ پیدا کر کے اپنے مزدور دشمن مفادات کی حفاظت کریں۔

سنہ ۱۹۷۱ء کے آغاز میں احمد کراچی حلوہ مرچنٹ کے مزدوروں نے اپنی یونین احمد کراچی حلوہ مرچنٹ ورکرز یونین بنائی۔ اس کا الحاق قومی مزدور محاذ سے کیا گیا۔ یونین نے اپنے قیام کے فوری بعد منتظمین کو گذشتہ واجبات کی ادائیگی کے لئے لیٹر دیا اور اس سلسلے میں محکمۂ محنت سے بھی رجوع کیا گیا۔ لیکن محکمۂ محنت سے مزدوروں کی شکایات کے تمام لیٹرز غائب ہو گئے۔ انتظامیہ نے یونین بننے کے بعد فوری طور پر یونین کے تقریباً دس سرگرم کارکنوں کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ یونین نے انتظامیہ کو مزدوروں کے قانونی حقوق کی ادائیگی کے لئے لیٹر دیا۔ انتظامیہ نے اپنی یہ کارکردگی دکھائی کہ اس لیٹر کی وصولیابی کے بعد یونین کے جنرل سکریٹری، نائب صدر اور ایک رکن مجلس عاملہ کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ تاکہ مزدوروں میں خوف و ہراس پھیلا کر یونین کو توڑا جائے۔

احمد فوڈ انڈسٹریز میں بھی یونین تشکیل دی جا چکی ہے اور وہاں بھی یونین کے قیام کے بعد بہت سے سرگرم مزدور کارکنوں کو نکالا جا چکا ہے۔ خصوصاً چار چار سال سے کام کرنے والی خاتون کارکنوں کو یونین سازی کے بعد ملازمت سے نکالا گیا ہے۔ یا انہیں عارضی کر دیا گیا ہے۔

یونین اور انتظامیہ کے مابین محکمۂ محنت میں مصالحتی افسر کے سامنے ایک مصالحتی میٹنگ ہوئی۔ یونین کے رہنماؤں نے اپنا یہ مطالبہ پیش کیا کہ چند مزدوروں کو انتظامیہ کم سے کم اجرت کے قانون کے مطابق ایک سو چالیس روپے اجرت نہیں دیتی ہے۔ لہٰذا ایسے مزدوروں کو کم از کم اجرت جو ۱۴۰ روپے بنتی ہے ادا کی جائے۔ انتظامیہ نے یونین سے ایسے مزدوروں کی فہرست مانگی اور جب اسے فہرست فراہم کر دی گئی تو ایسے تمام مزدوروں کو اگلے ہی روز سے بغیر کسی لیٹر یا کارروائی کے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

ان حقائق کے باوجود اس فیکٹری کے مزدور قومی مزدور محاذ کے پرچم تلے سرمایہ دار دشمن اور اپنے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے حصہ لے رہے ہیں۔ وہ اپنے روزمرہ عمل اور طبقاتی جدوجہد کے ذریعے اس حقیقت کو ذہنی اور عملی طور پر سمجھتے جا رہے ہیں کہ جب تک ملک میں سرمایہ دارانہ نظام موجود ہے اس وقت تک تمام محکموں اور اداروں میں مزدور دشمن افراد سرمایہ داری نظام کے تحفظ اور سرمایہ داری کی خوشنودی کے حصول میں لگے رہیں گے۔ اس فیکٹری کے مزدوروں نے عزم کر رکھا ہے کہ وہ اپنے سرمایہ دار کے ساتھ ساتھ تمام ملک کے سرمایہ داروں کے خلاف دلیرانہ جدوجہد کو اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک محنت کش طبقے کی مکمل فتح اور مزدور کسان اتحاد کے پرچم تلے عوامی جمہوریت قائم نہیں ہو جاتی۔



①



②

③

①

پیرس کمیون کے ایک لیڈر، یوئس یوجین وارلین جو محنت کشوں کی بین الاقوامی انجمن کے ایک رکن تھے ۔ وہ پہلے پیرس میں ایک جلساز کی حیثیت سے کام کرتے تھے ۔ وہ کمیون کا دفاع کرتے ہوئے ایک لڑائی میں ہیرو کی طرح شہید ہو گئے ۔

②

پیرس کمیون کی مسلح افواج کے ایک لیڈر جارو سلا ودومیرا وسکی جو ایک پولستانی انقلابی تھے ۔ انھوں نے دنیا کے پہلے پرولتاری انقلابی سیاسی اقتدار ۔ "پیرس کمیون" کا دفاع کرتے ہوئے ایک مورچے پر اپنی جان قربان کر دی ۔

③

پیرس کمیون کی ایک ہیروئن، لوئس مچل ۔ انہوں نے گرفتاری کے بعد بھی سر جھکانے سے انکار کر دیا ۔ انھوں نے رجعت پسند عدالت کے ججوں سے کہا ۔ "اگر تم نے مجھے زندہ رہنے کا موقع دیا تو بھی میرے اندر انتقام کی آگ سلگتی رہے گی ۔" آخر کار رجعت پسند حکومت نے انھیں غیر قانونی طور پر شہر بدر کر کے بحر الکاہل میں واقع نیو کلیڈ دنیا کے جزیرے میں بھیج دیا جہاں ان سے کڑی جسمانی محنت لی جاتی تھی ۔

(مضمون اندر کے صفحات میں ملاحظ فرمائیں)

Regd. No. S-2575 MAY 1971

THE MONTHLY MANSHOOR KARACHI

Press, Karachi.